سالِ نو کا آغاز، پرانے شکاری، نیا جال

سید محمد کفیل بخاری

2017ء بہت سی تلخ و خوشگوار یادیں جلو میں لیے رخصت ہوا اور 2018ء نئی توقعات اور ہزاروں خواہشات کے ساتھ طلوع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: **تلک الایام نداولھا بین الناس،** ''ہم لوگوں میں دنوں کو الٹتے پلٹتے رہتے ہیں''۔ یہ قانون قدرت اور نظام فطرت ہے جو کائنات میں ازل سے جاری ہے اور تب تک جاری رہے گا جب تک لمحاتِ عالم کی اس ریت گھڑی کا آخری ذرہ باقی رہے گا۔ پھر ایک دن آئے گا کہ خالق الایّام واللیالی اس روز لمن الملک الیوم کا اظہار پرجلال کرے گا اور بساطِ روز وشب آخر کار لپیٹ دی جائے گی۔

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

مگر ملحوظ رہے کہ جو شے تبدیل ہوتی ہے وہ مظاہر ہیں، حقائق نہیں۔ حقائق تو ثابت رہنے والے اور زوال ناپذیر ہوتے ہیں۔ جو حق ہے وہ ہمیشہ سے حق ہے اور ہمیشہ رہے گا، باطل اپنی سب توانائیاں صرف بھی کر لے وہ حق کی جگہ نہیں لے سکتا۔ نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے۔ سادہ لفظوں میں کہیں تو نہ جنگ بدلے گی نہ معرکے کے فریق، بس بدلتے ہیں تو اس رزم گاہ کے احوال وواقعات۔ حقیقت باقی رہنے کے لیے ہے، باقی سب فانی ہے۔

سالِ گذشتہ بہت سے باطل معبودوں کے زوال وفنا کا برس تھا۔ اب کے برس شخصیات کے انہدام سے معاملہ آگے بڑھا اور ہم نے بہت سے معزز فوروموں اور اداروں کے چہروں سے نقاب (بلکہ ستر پوشی کے لباس تک) اترتے ہوئے دیکھے۔ اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو وہ دن دور نہیں کہ جب ظلم اور جبر کا یہ نظامِ استحصال ایک روز کامل سقوط کا منہ دیکھے گا۔ اور اس روز مومنین اللہ کی نصرت سے خوش ہوں گے۔ (یومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ)۔ مگر کہتے ہیں کہ ہاتھی مرتے وقت بھی جب گرتا ہے تو بہت سے معصوم پودوں کو کچل ڈالتا ہے، اللہ کریم اپنی عافیت کے سائے کو آنے والے برس میں اپنے محبوب پیغمبر کی بے کس امت پر دراز فرمائے اور ہاتھیوں، بندروں، بھیڑیوں اور سگانِ خوک زاد کے اس ہجوم سے ہماری حفاظت فرمائے۔

پاکستان کے تناظر میں دیکھیں تو اس سال جمہوری طرزِ حکومت کے جبر کی غیر مرئیت کھل کر سامنے آئی۔ خود حکمران سمجھے جانے والے چیف ایگزیکٹو ہاتھ لگا لگا کر دیکھ رہے ہیں کہ کیا نکالا، کس نے نکالا اور رو رو کر پوچھ رہے ہیں کہ کیوں نکالا۔ حکمران جماعت مسلم لیگ اپنی تاریخ وروایات کے عین مطابق اور بانیان پاکستان کے وعدوں کے برعکس و متضاد اپنے موجودہ قائدین کے اس مستعار وژن پر عمل پیرا ہے جو درحقیقت رتوندے کے برعکس بیماری ہے۔ کہ رتوندے

کے مریض رات کے وقت دیکھ نہیں پاتے۔ ہمارے عظیم وژنری لیڈران روشن دن میں دیکھ نہ سکنے کی نا قابلِ تشخیص بیماری میں مبتلا ہیں۔معزول (یا نکالے گئے؟) وزیرِاعظم پاکستان میاں نواز شریف کی طرف سے لبرل پاکستان کا نعرہ، قائداعظم یونیورسٹی کے شعبہ فزکس کو پاکستان کے ایٹمی راز امریکہ کو فراہم کرنے کے سیاہ کارنامے کے مرتکب ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے نام منسوب کرنا، حلف ختم نبوت کو حذف کرنا، شناختی کارڈ اور پاسپورٹ سے مذہب کے خانے کے خاتمے کے لیے نئے قومی بیانیے اور نئے عمرانی معاہدے کی تیاری، اس دورِ حکومت میں دینی مدارس اور دینی جماعتوں کے خلاف سفاکانہ اقدامات، خصوصاً مسلم لیگ ن کے تمام ادوار میں دعوت وتبلیغ دین کی پاک محنتوں میں مشغول کارکنوں پر مظالم، ان کا اغواء، جعلی مقابلوں میں قتل، مذہب بیزار طبقات خصوصاً لبرل فاشسٹوں اور سیکولر انتہا پسندوں کی حوصلہ افزائی......غرض کیا کیا لکھا جائے۔اور مسلم لیگ کے سوا کے سیاستدانوں کے احوال دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، ایک دوسرے کو گالیاں دینے والے، شکل نہ دیکھنے کے دعوے کر کے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنے والے بے حقیقت سے اقتدار کی خاطر گھٹیا پن کی آخری حدوں کو مزید گھٹانے پر تلے ہوئے ہیں۔ پاکستان کی سیاسی قیادت بالخصوص حکمران جماعت کے دین بیزار اقدامات کی وجہ سے ہمارے دل کی زمینیں ان کے لیے شور یلی ہوگئی ہیں اب ان کے لیے دعائے خیر کا کوئی پودا بلکہ احترام کے کسی جذبے کی گھاس تک نہیں اگتی۔

گزشتہ برس کے آخری دنوں میں دجّالِ زمانہ ڈونلڈ ٹرمپ کے مقبوضہ بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت بنانے کے اعلان نے نہ صرف دنیا بھر میں ایک اضطراب پیدا کیا بلکہ جدید عقلیت کی اندر پنہاں مسلم دشمنی کا خبث بھی ظاہر ہو کر سامنے آ گیا۔ جنرل اسمبلی میں امریکہ کو ہونے والی بدترین شکست دراصل مظلومیت کی کراہوں کا وہ شہاب ثاقب ہے جس نے جدید بے حسی کے سنگی کُرّے (Stonesphere) پر ایک خراش ڈال ہی دی۔ ٹرمپ کا یہ اعلان دراصل تحریک آزادئ فلسطین کی قربانیوں، فلسطینی ریاست کے وجود اور مسلم اُمہ کے خلاف صہیونی منصوبہ بند سازش کا اعلامیہ ہے جو پوری دنیا کو تباہی کی طرف دھکیلنے کے مترادف ہے۔اللہ تعالیٰ ترک صدر طیّب اردوان کی حفاظت اور توفیقات میں اضافہ فرمائے جس نے مسلم دنیا کو اکٹھا کر کے امریکی فرعونیت کو زبانی کلامی سہی، مسترد تو کیا۔ وگرنہ ہمارے عرب برادرانِ ملت تو اس وقت ایک دوسرے کو ہی مسترد کرنے میں شدید مصروف ہیں۔

پس اے اہل ایمان! اے محبانِ وطن! اے عشاقِ حرمین واقصیٰ اور اے امّت محمدؐ! زمانہ اور اس کے حوادث و واقعات گواہی دیتے ہیں، سو اس کی قسم ہے، انسان خسارے میں ہے، سوائے ان کے جنھوں نے ایمان کو اختیار کیا اور اس کے مطابق عمل گزار ہوئے، اور ان کے سوا جنھوں نے ایک دوجے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کا صبر بڑھانے کا سبب بنے

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر

2018ء اور شعورِ ختم نبوّت

عبداللطیف خالد چیمہ

انتخابی اصلاحات بل 2017ء میں عقیدۂ ختم نبوت کے حلف نامے کو حذف کرنے سے ایک ہنگامی صورتحال پیدا ہوئی۔ اُس کے ردِعمل میں قوم نے مِن حیث المجموع مثالی بیداری کا اظہار کیا۔ فیض آباد، لاہور دھرنے اور پیران عظام کے عوامی اجتماعات نے عقیدۂ ختم نبوت کی جدوجہد کو نمایاں کیا۔ اصولی طور پر تو قانونی جدوجہد نے اپنا ہدف پورا کرلیا تھا، لیکن حکومت کی طرف سے خواہ مخواہ معاملات کو کڈھب طریقے سے حل کرنے کی کوششوں کے تناظر میں دھرنے والوں کے ساتھ ہونے والے معاہدات پر عمل درآمد تادم تحریر ہوتا ہوا نظر نہیں آرہا۔ فیض آباد دھرنے میں شہادتیں اور راجہ ظفر الحق کمیٹی رپورٹ کو شائع کرنے میں حکومتی ٹال مٹول کے پس منظر میں جو سیاسی کھیل کھیلا جارہا ہے وہ حکومت کو الٹی زقند میں بھی دھکیل سکتا ہے اور رائے عامہ کا رُخ کسی دوسری طرف مڑ گیا تو ریاست کے سب سٹیک ہولڈرز کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ عقیدے کے تحفظ کی اس مقدس تحریک کو اب نہ تو نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی سبوتاژ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس تناظر میں بدمذہبانِ پاکستان کی بدحواسی کا سیاپا دیدنی ہے۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے 1953ء کی تحریک مقدس کے بعد فرمایا تھا کہ ''اگر میرے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی یہ خیال ہو کہ اس تحریک کے ذریعے میں سیاسی اقتدار حاصل کروں گا، تو میرے اور میرے اہل وعیال پر خدا کا غضب نازل ہو''۔ ہم نے تو اپنی سیاست کو بھی عقیدہ ختم نبوت پر قربان کر رکھا ہے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مبارک جدوجہد کی برکات ہمیں یوم الجزاء میں کامل طور پر عطا فرمائے۔

حلف نامے اور 7b/c کی من وعن بحالی کے نتائج چارسو پھیل گئے۔ 13 ربیع الاول 1439ھ بروز ہفتہ جناح کنونشن سنٹر اسلام آباد میں حکومتی سطح پر ہونے والی سالانہ سیرت کانفرنس میں حضرت مولانا غلام محمد سیالوی نے اپنی تقریر میں تجویز پیش کی کہ: ''2018ء میں ہونے والی آئندہ سیرت کانفرنس کا عنوان ''ختم نبوت'' ہو۔ جس پر مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ ''2018ء پورا سال ختم نبوت کے طور پر منایا جائے''۔ اس پر وفاقی وزیر مذہبی امور سردار محمد یوسف نے اعلان کیا کہ ''2018ء کو ''شعور ختم نبوت'' کے سال کے طور پر منایا جائے گا۔ اس اعلان اور فیصلے کا ہم پُر انبساط خیر مقدم کرتے ہوئے اس کی مکمل تائید وحمایت کرتے ہیں۔ مجلس احرار اسلام بھی 2018ء کو شعورِ ختم نبوت کے سال کے طور پر منانا اپنی سعادت سمجھتی ہے۔ ان سطور کے ذریعے ہم وزارت مذہبی امور کے کارپردازان سے درخواست کریں گے کہ وہ اس کا باقاعدہ نوٹیفکیشن جاری کریں تاکہ یہ بابرکت اعلان گھٹیا پاکستانی طرز کے سیاسی مفاداتی کھیل یا روایتی کلرک شاہی سرخ فیتے کی نذر نہ ہو بلکہ اس پر مکمل عمل درآمد کیا جائے، تاکہ موجودہ حکومت کی فردِ عمل میں کوئی اچھا کام بھی مندرج ہوجائے۔

قافلۂ احرار.. رواں دواں!

29 دسمبر 1929ء کو برّصغیر پاک وہند کی ممتاز حریت پسند جماعت مجلس احرار اسلام وجود میں آئی۔ اس تاسیس کو 88 برس مکمل ہونے پر 29 دسمبر 2017ء کو ملک بھر کے مراکز احرار وختم نبوت میں ''یوم تاسیس احرار'' کی پُروقار تقریبات منعقد ہوئیں، اور سرخ ہلالی جھنڈے کی اڑانوں کے منظر نے ساتھیوں کی رگوں میں دوڑتے خون کو تجدیدِ عہد کی حدّت بخشی۔ اسی طرح 12_11 ربیع الاول 1439ھ مطابق 30 نومبر، یکم دسمبر 2017ء بروز جمعرات وجمعۃ المبارک چناب نگر کی

سالانہ ختم نبوت کانفرنس بھی ایسے ماحول میں منعقد ہوئی کہ پورا ملک ختم نبوت زندہ کے نعروں سے معطر تھا۔ کانفرنس میں ملک کے طول وعرض سے ہزاروں فرزندانِ اسلام، مجاہدین ختم نبوت اور سرخ پوشانِ احرار نے جس جوش وولولے سے شرکت کی ،اس پر ہم تمام مہمانوں اور شرکاء کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے احرار کے درویشانِ خدامست کی حوصلہ افزائی کی اور دل بڑھایا۔ 12 ربیع الاول کو بعد نماز جمعۃ المبارک دعوتی جلوس جس تعداد میں اور جس پرامن انداز میں نکالا گیا، وہ اپنی مثال آپ تھا، اللہ تعالیٰ ہماری ناچیز مساعی میں برکت ڈال کر ہمیں اپنے نام اور اپنے کام سے ہمیشہ جوڑے رکھیں تا آنکہ حق کا بول بالا ہو اور کفر وارتداد مٹ کر رہ جائے۔ آمین، یارب العالمین! قائد احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ العالیٰ شدید علالت کے باوجود شریک بھی ہوئے اور جلوس میں خطاب بھی فرمایا۔ کانفرنس اور جلوس کے شرکاء کی دن بدن بڑھتی تعداد کے پیشِ نظر انتظامات کم پڑ جاتے ہیں، بزرگوں اور دوستوں سے درخواست ہے کہ خصوصی دعاؤں کا اہتمام فرمائیں۔ مزید جگہ کی خریداری کے لئے کوشش جاری ہے، اللہ تعالیٰ کرم فرمائیں گے اور مزید آسانیاں پیدا ہو جائیں گی۔

امیر شریعت کانفرنس، لاہور: کارکنانِ مجلس احرار اسلام مارچ کے مہینے میں تحریک مقدس تحفظ ختم نبوت 1953ء کے عظیم المرتبت شہداء کی یاد میں کانفرنسوں کا انعقاد کرتے ہیں، اس مرتبہ 9 مارچ جمعۃ المبارک کو بعد نمازِ مغرب ایوان اقبال لاہور میں ''امیر شریعت کانفرنس'' بھی منعقد ہوگی۔ جس میں تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت میں حضرت امیر شریعتؒ کے کردار کا تذکرہ ہوگا، حضرت قائد احرار پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ العالیٰ، قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر مولانا خواجہ عزیز احمد مدظلہ، پاکستان شریعت کونسل کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی مدظلہ اور کئی دیگر دینی وقومی اور سیاسی رہنماؤں کے خصوصی بیانات ہونگے، قارئین سے دعاؤں اور ہمراہی کی درخواست ہے۔

صوفی نصیر احمد رحمۃ اللہ علیہ: جمعیت علماء اسلام چیچہ وطنی کے بزرگ رہنماء ڈاکٹر محمد اعظم چیمہ کے چچا، عبداللطیف خالد چیمہ اور حافظ حبیب اللہ چیمہ کے ماموں صوفی نصیر احمد چیمہ 19 دسمبر منگل کو طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے، مرحوم نے تقریباً نصف صدی چیچہ وطنی میں بھرپور دینی وسیاسی اور سماجی کردار ادا کیا، انتہاء کی وضعدار شخصیت کے مالک تھے، نمازِ جنازہ جامع مسجد میں ادا کی گئی جو حضرت پیر جی قاری عبدالجلیل رائے پوری نے پڑھائی جس میں قائد اہل سنت مولانا محمد احمد لدھیانوی بھی شریک ہوئے اور تعزیتی کلمات کے ذریعے صوفی صاحب مرحوم کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ 1970ء کے الیکشن، 1974ء کی تحریک ختم نبوت اور 1978 کی تحریک نظام مصطفیٰ (ﷺ) میں، میں خود صوفی صاحب کی قیادت میں کام کرتا رہا ہوں، مرحوم نے استقامت سے قیادت کی، وہ چیچہ وطنی کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے، بعد ازاں مولانا لدھیانوی نے دفتر احرار میں جناب عبداللطیف خالد چیمہ سے تعزیتی ملاقات کی، نمازِ جنازہ میں مقامی دینی وسیاسی رہنماؤں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری، جمعیت علماء اسلام پاکستان کے امیر مولانا فضل الرحمٰن، جمعیت پنجاب کے امیر ڈاکٹر عتیق الرحمٰن، خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر مولانا خواجہ عزیز احمد اور کئی دیگر رہنماؤں نے صوفی نصیر احمد چیمہ کے انتقال پر اظہار تعزیت کیا ہے، مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر سید محمد کفیل بخاری نے 21 دسمبر کو چیچہ وطنی میں لواحقین سے اظہارِ تعزیت کیا، مولانا محمد اکمل اور مولانا محمد فیصل متین سرگانہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ صوفی صاحب کا روحانی تعلق خانقاہ سراجیہ سے تھا اور حضرت خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مقربین میں سے تھے۔

خواہشِ اقتدار اور سیاست دانوں کی ذہنی صحت

پروفیسر خالد شبیر احمد

ہمارے ملک کے نیتاؤں کی موجودہ گفتگو سن کر لگتا ہے کہ شاید ملک میں سیاست کرنے کے لیے ذہنی صحت کی شرط اٹھا دی گئی ہے۔ مرکزی دھارے کی ہر جمہوری و سیاسی جماعت کا ہر لیڈر بلکہ اس کے چھٹ بھی خواہشِ اقتدار کے ہاتھوں دیوانگی کی منازل طے کر چکے ہیں۔ جمہوری طرزِ سیاست ملک و ملت کے حق میں تو مضر ہے ہی مگر انسان کو اپنے ہوش و حواس سے بھی بیگانہ کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے سید الوجود ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرزِ سیاست کی بنیاد یعنی خواہش اقتدار ہی کی شدت سے نفی فرمائی۔ دینِ اسلام میں خواہش اقتدار کی مذمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اقتدار کی خواہش رکھنے والے کو خائن کہا گیا ہے۔ جو لوگ عہدوں یا منصب کے حصول کے لیے تگ و دو کرتے ہیں، اسلامی معاشرے میں بد دیانت کہلاتے ہیں۔ عہدہ دینی نقطۂ نظر سے ایک آزمائش ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی آزمائش کے لیے جو آدمی خود کو پیش کر رہا ہے۔ ایسا شخص دو حالتوں سے باہر ہرگز نہیں ہے، یا تو وہ اپنے آنے والی ذمہ داریوں سے واقف ہی نہیں یا پھر اس کی نیت میں فتور ہے اور وہ اپنی حرص و ہوس کے سامنے بے بس ہو گیا ہے۔ پہلی صورت میں ایسی مشکل میں پڑنے کے بعد یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے آپ کو خواہشات کے فتنوں سے محفوظ رکھ سکے۔ جب کوئی آزمائش آئے گی اس کے قدم ضرور ڈگمگائیں گے اور اور دوسری صورت میں مبتلا فرد تو پہلے ہی مرحلے میں بد دیانت اور خائن ہو گیا۔ ایسے شخص کو منصب کی ذمہ داری دے دینا اور اہم عہدہ پر فائز کر دینا ایسے ہے جیسے کسی چور کو تھانیدار مقرر کر دیا جائے۔

معروف صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ وہ اپنے دو رشتے داروں کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ ہم اس لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ ہمیں حکومت کے کسی منصب پر فائز کریں۔ دوسرے شخص نے بھی اس قسم کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا:

''ہمارے نزدیک سب سے بڑا خائن وہ ہے جو کوئی عہدہ طلب کرے۔''

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو کوئی منصب عطا نہیں فرمایا حتیٰ کہ آپ نے وفات پائی۔

دینِ متین کی تعلیمات سے یہ بات واضح طور پر ابھر کے سامنے آتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اُنھی لوگوں کو پسند فرماتے ہیں جو کسی منصب یا عہدہ کو آزمائش خیال کرتے ہوئے عہدوں سے دور بھاگتے ہیں اور ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں جو عہدوں کی خواہش رکھنے کے بعد عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ قانون

ہے کہ جو آزمائش وہ اپنے بندوں پر ڈالتا ہے صرف اُسی میں اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے اور اگر وہ اس آزمائش پر پورا اترنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس میں کامیابی بھی عطا کرتا ہے۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ سے واضح ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے عبدالرحمٰن! کبھی امارت کے طالب نہ بننا، اگر یہ بن مانگے تمھیں ملی تو اس کام میں رب کی طرف سے تمھاری مدد کی جائے اور اگر اس کو مانگ کر لو گے تو تم اس امارت یا منصب کے حوالے کر دیے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تعاون کا ہاتھ تم سے کھینچ لے گا۔''

خواہشِ اقتدار کے اسی فتنے نے حکومتوں کو اپنی اہم اور بنیادی ذمہ داریوں سے غافل کر رکھا ہے۔ جو کچھ حکومتوں کو کرنا ہوتا ہے اس کے اربابِ بست وکشاد اس سے ناواقف اور غافل ہیں اور جو کچھ نہیں کرنا چاہیے اس میں ملوث ہو کر اپنی عاقبت اور قوم کا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تو حکومتِ وقت ہر اس شخص کی کفالت کی بھی ذمہ دار ہے جس کا کوئی کفیل نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میں اس کا وارث ہو جس کا کوئی وارث نہیں اس کی جانب سے دیت ادا کروں گا''۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی روشنی میں رقم طراز ہیں:

''حکومت جس طرح اس شخص کی وارث ہوتی ہے جس نے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو۔ اسی طرح وہ اس کا قرض بھی ادا کرنے کا ذمہ دار ہے جب کہ وہ قرض کی ادائیگی کے لیے کوئی شے چھوڑے بغیر مر جائے نیز وہ اس کی زندگی میں اس کی کفالت کی بھی ذمہ دار ہوگی جب کہ کوئی اس کی کفالت کرنے والا نہ ہو۔

زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بازار کی طرف جا نکلا۔ وہاں ایک خاتون حضرت رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، بولی اے امیر المؤمنین میرے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس نے بچے چھوڑے ہیں، وہ ابھی اتنے چھوٹے ہیں کہ ایک لقمہ بھی اپنے ہاتھ سے نہیں توڑ سکتے۔ اُن کے باپ نے نہ زمین چھوڑی، نہ مویشی ہیں۔ ڈرتی ہوں کہ کہیں یہ بچے کسمپرسی کی نذر نہ ہو جائیں۔ میں خفاف ابن ایما غفاری رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہوں، میرے باپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلح حدیبیہ کے موقع پر موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی بات سن کر وہیں کھڑے ہو گئے، اس قریبی تعلق پر خوشی کا اظہار فرمایا، پھر ایک اونٹ پر گیہوں کی بوریاں لدوائیں، کچھ نقدی اور کچھ کپڑے اس کے ساتھ رکھوائے اور پھر اس کی باگ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر فرمایا:

''اس کو لے جاؤ، اس کے ختم ہونے سے پہلے تمھارے پاس مزید سامان پہنچ جائے گا''۔ (بخاری شریف)

دیکھیے! دینِ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں حکمرانوں کا احساس ذمہ داری کہ ایک صحابی کے مرنے کے بعد بھی اس کی اولاد کی کفالت کا فرض ادا ہو رہا۔ اب موجودہ ملکی حالات کی طرف دیکھیے کہ جہاں ذمہ داری اور منصب خواہش کے بعد حاصل کیا جاتا ہے۔ اب ذرا ایک نظر ہماری روزمرہ زندگی کے آشوب پر ڈالیے، کیا ہولناکی ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا بھی مشکل امر ہے۔ اگر خدا پر کامل یقین کے ساتھ خدا کے احکامات کی پیروی کی جاتی تو یہ صورت حال نہ ہوتی۔

مجلس احرارِ اسلام......قافلۂ سخت جاناں

ڈاکٹر عمر فاروق احرار

برصغیر کے سیاسی افق پر 29 دسمبر 1929 کو مجلس احرار اسلام ایک نئی سیاسی جماعت کے طور پر اُبھری۔ جس کے بانیوں میں وہ شخصیات نمایاں تھیں، جن کا شمار تحریک خلافت کی صفِ اوّل کی قیادت میں ہوتا تھا۔ جن میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، چودھری افضل حق، مظہر علی اظہر اور شیخ حسام الدین شامل ہیں۔ سیاسی سطح پر کانگریس اور مسلم لیگ اور جمعیت علماء ہند کی موجودگی میں مجلس احرار اسلام کا قیام انفرادیت کی انوکھی مثال تھی۔ مجلس احرارِ اسلام دیگر جماعتوں کے برعکس متوسط طبقہ کے رہنماؤں اور کارکنوں کی ترجمان تھی، جو پہلے دن ہی سے کسی مخصوص طبقے، گروہ یا فرقے کی بجائے ایک ایسا متحدہ پلیٹ فارم بن گئی۔ جس میں بلاتفریق مسلک ہر طبقہ کا نمائندہ رہنما موجود تھا، چونکہ مجلس احرار اسلام کے بنیادی مقاصد میں آزادیٔ وطن اور تحفظ ختم نبوت ایسے عظیم اہداف شامل تھے۔ اس لیے کسی بھی مکتبہ فکر کے لیے احرار میں شمولیت کے لیے بے پناہ کشش پائی جاتی تھی۔ احرار میں نہ صرف علماء کرام اور سیاست دان، بلکہ شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں کی بھی ایک معقول تعداد موجود تھی۔ جس سے احرار کی عوامیت اور مقبولیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

احرار نے 1931 میں پہلی ملک گیر تحریک کشمیری مسلمانوں کے حق میں چلائی۔ جو تحریک خلافت کے بعد سب سے بڑی تحریک ثابت ہوئی۔ جس میں پچاس ہزار احرار کارکن گرفتار ہوئے۔ اِس تحریک نے ہر طبقے کو متاثر کیا۔ علامہ اقبال نے تحریک کشمیر میں احرار کی تائید میں بیان جاری کیا۔ ممتاز شاعر اختر شیرانی اور ڈاکٹر دین محمد تاثیر جیسے مشاہیر نے منظومات اور نامور اشترا کی دانشور باری علیگ وغیرہ نے نثر کے ذریعے احرار میں شمولیت کی دعوت عام کی۔ جمعیت علماء ہند کے رہنماؤں میں سے مفتی کفایت اللہ دہلوی اور مولانا احمد سعید نے تحریک کشمیر میں احرار کا بھرپور ساتھ دیا۔ تحریک کشمیر کے بعد احرار کی مقبولیت آسمانوں کو چھونے لگی۔ ہندوستان کے ہر علاقے میں احرار کا طوطی بولنے لگا۔ احرار پسے ہوئے طبقات اور غریبوں کی حالت بدلنے کا عزم لے کر اُٹھے تھے۔ جب مشرقی پنجاب کے علاقہ کپورتھلہ میں حکمرانوں نے غریب عوام کا معاشی استحصال کیا تو سُرخ پوشانِ احرار اُن کی مدد کو آئے اور گرفتاریوں اور صعوبتوں کے سہنے کے بعد وہ بالآخر کامیاب ہوئے اور مقامی حکام کو غریب عوام کے مطالبات کے آگے جھکنا پڑا۔ مستقبل میں بھی معاشی ناہمواریوں کے خلاف احرار کی آواز ہمیشہ بلند ہوتی رہی۔ سامراج دشمنی اور غریب دوستی احرار کا نشانِ امتیاز رہا۔ یہی وجہ تھی کہ ترقی پسند حلقوں کے ساتھ احرار کے تعلقات ہمیشہ دوستانہ رہے۔ قادیانیت، احرار کے نزدیک انگریز سامراج کا لگایا ہوا پودا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ برصغیر میں انگریز کے قدم مضبوط کرنے میں قادیانیوں کی جہاد دُشمنی اور ختم نبوت کے خلاف مورچہ زنی ہی بنیادی پتھر ہے۔ لہٰذا اُنھوں نے قادیانیوں کا سیاسی تعاقب کیا اور وہ مسلسل محنت سے یہ حقیقت عوام پر واضح کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ قادیانیت مذہب کے پردے میں ایک سیاسی تحریک ہے جو اُمت مسلمہ کو تفریق و تقسیم کرنے اور برطانوی اقتدار کو دَوام دینے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے۔ 1934ء میں قادیانیوں کے مرکز قادیان میں مجلس احرار اسلام نے فاتحانہ قدم رکھا اور ''احرار ختم نبوت کانفرنس'' کا انعقاد کیا۔ جس میں ہندوستان کے تمام مسالک کے علماء، مشائخ اور قومی رہنماؤں نے شرکت کی۔ جب کہ ملک بھر سے کانفرنس میں شریک ہونے والوں کی تعداد 2 لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی۔ یہ کانفرنس تحریک ختم نبوت کا

پیش خیمہ ثابت ہوئی اور مسلسل جدوجہد کے بعد 1974ء قادیانیوں کو قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ مجلس احرار اسلام کی بپا کردہ تحریک ختم نبوت سے جدید تعلیم یافتہ حضرات پر قادیانیت کی اصلیت کھل گئی۔ اسی تحریک کے اثرات کے نتیجہ میں علامہ محمد اقبال نے بھی حکومت سے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ کیا اور اُن کے قلم سے مسلسل قادیانیوں کے خلاف نظم ونثر میں اظہارِ خیال ہوتا رہا۔

مجلس احرار اسلام کے قائدین بے غرضی اور بے لوثی میں اپنے مثال آپ تھے۔ جرأت و بے باکی اور حق گوئی میں وہ ضرب المثل تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اللہ نے انہیں خطابت کا بے نظیر ملکہ عطا کیا تھا۔ جس کی بدولت انہوں نے کروڑوں ہندوستانیوں کے دلوں سے انگریزی جبروت اور دہشت کا خوف دُور کیا۔ اُن کی زندگی ریل وجیل سے عبارت رہی، مگر وہ کلمۂ حق کہنے سے کبھی باز نہ آئے۔ جس پر اُنہیں شہرت کی بلندیاں ملیں۔ 1937ء آمدہ انتخابات میں احرار کو شکست دینے کی خاطر اگر 1935ء میں پنجاب کے انگریز گورنر ایمرسن کے ذریعے مسجد شہید گنج کا ملبہ مجلس احرار پر نہ گرایا جاتا تو پنجاب میں پہلی مرتبہ جاگیرداروں کی بجائے ایک متوسط طبقے کی نمائندہ حکومت کے قیام کی توقع کی جاسکتی تھی، مگر انگریز، قادیانی اور وَڈیروں کے گٹھ جوڑ نے احرار کی متوقع کامیابی کے راستے مسدود کرکے یونینسٹ حکومت کی راہ ہموار کردی۔ اُس کے باوجود مجلس احرار کے سخت جانوں نے اپنے وجود اور استقامت کا لوہا منوایا اور وہ وقتی ناکامی کے باوجود آنے والے وقت میں پوری قوت کے ساتھ اپنے مقاصد میں کامیاب رہے۔ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو مجلس احرار اسلام نے اپنے قیام کے جو مقاصد متعین کیے تھے، وہ اُن میں کامیاب رہی۔ ہندوستان سے انگریز کا انخلا احرار کا مطمحِ نظر تھا، تحفظ ختم نبوت اُن کا منشور تھا۔ انگریز کو 1947ء میں ہندوستان چھوڑنا پڑا۔ 1974ء ختم نبوت کا مسئلہ قومی اسمبلی کے ایوان تک پہنچایا اور قادیانیوں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں بھی کامیابی بالواسطہ طور پر احرار ہی کے حصہ میں آئی۔

پاکستان بنا تو مجلس احرار اسلام نے 1949 میں سیاست سے دستبرداری کا اعلان کیا اور سب سے بڑی اپوزیشن جماعت ہوتے ہوئے بھی اپنی سیاسی حیثیت کو ختم کرکے مسلم لیگ کے لیے میدان خالی کردیا۔ بعد ازاں مجلس احرار نے دینی معاملات پر یکسوئی کے ساتھ توجہ مرکوز رکھی لیکن سیاسی میدان میں نہ ہونے کے باوجود قومی امور اور عوامی مسائل پر اُس کی توانا آواز سنائی دیتی رہی۔ اگست 1961ء میں جماعت کے قائد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی رحلت کے بعد اُن کے جانشین وفرزند حضرت مولانا سید ابوذر بخاریؒ نے احرار کا شیرازہ جمع کیا اور حکومت الٰہیہ کے نفاذ، تحفظ ختم نبوت اور تحفظ ناموس صحابہؓ کے لیے احرار کو منظم اور متحرک کیا۔ بعد ازاں فرزندانِ امیر شریعت مولانا سید عطاء المحسن بخاریؒ، مولانا سید عطاء المومن بخاری اور مولانا سید عطاء المہیمن بخاری کی قیادت میں عہد بہ عہد مجلس احرار اسلام کا قافلہ رواں رہا ہے۔ اب ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہٗ کی امارت میں مجلس احرار اسلام، پاکستان کو اِسلام کا قلعہ بنانے کے لیے اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہے۔ قائدین اگر تدبر وبصیرت کے ساتھ خلوص وایثار کی دولت سے بہرہ ور ہوں اور مقاصد ومنشور محض اللہ کی رضا اور مخلوق کی خدمت پر اُستوار کیے جائیں ہوتو جماعتیں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مجلس احرار اسلام عزم وہمت کا 87 برس کا طویل عرصہ طے کرکے اب بھی دین کی حاکمیت کے لیے سرگرم عمل ہے اور اَب 29 دسمبر کو اپنا 88واں یوم تاسیس منا رہی ہے۔

متاعِ علم وحکمت لُٹ نہیں سکتی پیمبر ﷺ کی ابھی محفل میں پائندہ ترے احرار ہیں ساقی

☆......☆......☆

سلف صالحین اور امر بالمعروف کے قرینے

ترجمہ: مولوی محمد نعمان سنجرانی

ولید بن داؤد بن محمد بن عبادہ بن الصامت اپنے چچا زاد بھائی عبادہ بن ولید سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ ایک روز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اِن کو اپنی مجلس میں بٹھایا۔ ایک خطیب نے اُٹھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدح وثنا کی، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ ہاتھ میں مٹی لے کر کھڑے ہوئے اور اُسے خطیب کے منہ میں ڈال دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناگواری ہوئی تو عبادہ رضی اللہ عنہ اُن سے کہنے لگے: آپ اُس وقت ہمارے ساتھ نہیں تھے جب رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عقبہ میں بیعت لی تھی کہ ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ چاہتے ہوں یا نا چاہتے ہوں، بشاشت ہو یا سستی ہو، چاہے ہم پر کسی کو ترجیح ہی کیوں نہ دی جائے اور یہ کہ ہم مستحق آدمی کے حکمران بن جانے پر حکومت طلب نہیں کریں گے۔ اور یہ کہ ہم جہاں کہیں ہوں حق پر قائم رہیں گے اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ (۱) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو اُن کے مونہوں میں مٹی جھونک دو۔ (۲)

یونس بن ابو اسحٰق اپنے والد سے وہ عبداللہ بن معقل سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ میں ایک یہودی عورت تھی جو ویسے تو حضرت عبداللہ بن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ کا بہت خیال رکھتی تھی، لیکن نبی کریم ﷺ کی بے ادبی کر کے اُنھیں تکلیف بھی پہنچاتی تھی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اُس کے پاس گئے، اُسے پکڑ کر مارا اور قتل کر دیا۔ یہ قضیہ نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: واللہ! وہ میرا خیال رکھتی تھی لیکن اُس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے بارے میں مجھے تکلیف پہنچائی۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ اُسے دور کرے، میں نے اُس کا خون باطل کر دیا (یعنی اُس کا بدلہ نہیں لیا جائے گا)۔ (۳)

امام اوزاعی سے روایت ہے کہتے ہیں مجھے ابوبصیر نے اپنے والد سے روایت کی، وہ کہتے تھے: حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ درمیانی جمرہ کے پاس تشریف فرما تھے کہ میں اُن کے پاس حاضر ہوا، لوگ اُن کے ارد گرد اکٹھے ہو کر اُن سے مسائل پوچھ رہے تھے۔ ایک آدمی اُن کے پاس آ کر کھڑا ہوا، کہنے لگا: کیا آپ کو امیر المؤمنین نے فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا؟ (۴) انھوں نے اپنا سر اٹھایا، فرمانے لگے: کیا تم مجھ پر نگہبان ہو؟ پھر اپنی گردن کے پچھلے حصے کی طرف اشارہ کیا اور فرمانے لگے اگر تم یہاں پر تیز دھار تلوار رکھ دو اور میں سمجھوں کہ اس کے چلنے سے پہلے پہلے میں رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی ایک بات بھی بتا سکتا ہوں تو میں ضرور بتاؤں گا۔ (۵)

امام ذہبی نے برقہ شہر کے قاضی محمد بن حُبلی کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے کہ اُن کے پاس برقہ کا (عبیدی خلیفہ کی

طرف سے تعینات) گورنر آیا اور کہنے لگا: کل عید ہے۔ قاضی محمد نے فرمایا: جب تک ہم چاند نہ دیکھ لیں، میں لوگوں کا روزہ چھڑوا اُن کا گناہ اپنے ذمے نہیں لے سکتا۔ وہ کہنے لگا: خلیفہ منصور کا خط آیا ہے کہ کل عید کی جائے (منصور ایک عبیدی خلیفہ تھا۔ عبیدیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ رویتِ ہلال کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ اپنے حساب و کتاب کے مطابق روزہ رکھنے اور چھوڑنے کا حکم دے دیا کرتے)۔ جب صبح ہوئی تو گورنر نے ڈھول باجوں اور عید کی تیاریاں کرنے کا حکم دیا۔ قاضی کہنے لگے: میں عید گاہ میں نکل کر لوگوں کو عید کی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ چنانچہ گورنر نے ایک اور آدمی کو حکم دیا اور اس نے خطبہ ونماز پڑھا دی اور گورنر نے سارا ماجرا منصور کو لکھ بھیجا۔ منصور نے قاضی کو اپنے پاس بلایا، انھیں وہاں پیش کیا گیا۔ منصور نے کہا: تم اس حکم سے ہٹ جاؤ، میں تمھیں معاف کرتا ہوں۔ قاضی نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اِن کو دھوپ میں لٹکا دیا جائے اور اس وقت تک لٹکتے رہنے دیا جائے جب تک یہ فوت نہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ اسی طرح شہید ہوئے، وہ شدتِ پیاس کی وجہ سے پانی مانگتے تھے اور اُنھیں پانی نہ دیا جاتا تھا۔ پھر اُنھیں ایک لکڑی پر سولی دے دی گئی۔ لعنت اللہ علی الظالمین۔ (۶)

حسن سے روایت ہے کہ زیاد نے حکم بن عمر و کو خُراسان کے محاذ پر جہاد کے لیے امیر بنا کر بھیجا۔ اللہ نے لشکر کو فتح نصیب فرمائی تو انھیں بہت زیادہ مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ زیاد نے حکم کو خط لکھا: امابعد! امیر المؤمنین نے مجھے خط لکھا ہے کہ میں سونا چاندی کو صفی بنالوں (صفی: مالِ غنیمت کے اُس حصے کو کہتے ہیں جس کو تقسیم سے پہلے حاکم کے حصے کے طور پر نکالا جائے)۔ لہٰذا میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم سونا چاندی لوگوں کے درمیان تقسیم مت کرنا۔ حکم نے جواب دیا: سلام علیک، امّا بعد! تم نے اپنے خط میں امیر المؤمنین کے حکم کا ذکر کیا ہے، لیکن مجھے اللہ کا حکم امیر المؤمنین کے حکم سے پہلے مل گیا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ بخدا اگر آسمان و زمین آپس میں گُتھ کر کسی بندے کے راستے میں جڑ کر بند ہو جائیں اور وہ بندہ اللہ سے ڈرتا رہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ضرور اُس کے لیے وسعت اور راستہ نکال کر رہیں گے۔ والسلام علیک (۷)

ابوالمنذر اسماعیل بن عمر سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے حضرت ابوعبدالرحمٰن عمری کو سنا، وہ فرماتے تھے: بے شک اللہ سے اعراض کرنا تمھاری غفلت کا شاخسانہ ہے۔ وہ اس طرح کہ تم اُس کی نافرمانی کو دیکھتے ہو اور چُپ چاپ وہاں سے گزر جاتے ہو، ایسے لوگوں سے ڈرتے ہوئے امر و نہی نہیں کرتے جن کے قبضے میں نہ ضرر ہے نہ نفع۔ اسماعیل کہتے ہیں، میں نے اُنھیں سنا، وہ فرما رہے تھے: جو شخص مخلوقات کے ڈر کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑتا ہے اُس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی (عطا فرمودہ) ہیبت اور رعب چھین لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ اپنی اولاد اور اپنے ماتحتوں کو بھی حکماً کچھ کہے تو وہ پروا نہیں کرتے۔ (۸)

امام اوزاعی کہتے ہیں عبداللہ بن علی نے (بنواُمیّہ کے خلاف پہلے مرحلے میں خروج کامیاب ہونے کے بعد) مجھے اپنے دربار میں طلب کیا۔ میرے لیے اُس کا یہ بلانا خاصا پریشانی کا باعث بنا، مگر میں گیا۔ میں داخل ہوا تو لوگ دو قطاروں میں تھے۔ عبداللہ بن علی مجھ سے کہنے لگا: ہمارے خروج، ہمارے حالات کے بارے میں تمھارا قول کیا ہے؟ میں نے کہا: اللہ امیر کو مزید سنوارے۔ میرے اور داؤد بن علی کے درمیان محبت اور دوستی تھی۔ وہ کہنے لگا: میں نے جو بات پوچھی

ہے وہ بتاؤ۔ میں نے سوچا اور دل میں کہا کہ اس کے سامنے سچ ہی بولنا چاہیے اور میں موت کے لیے تیار ہو گیا۔ پھر میں نے اُسے حضرت یحییٰ بن سعید کی روایت سے حدیثِ اعمال (۹) سنائی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کے ساتھ وہ اشارہ کر رہا تھا۔ پھر وہ کہنے لگا: اِس گھر کے لوگوں کے قتل کے بارے میں تمھارا کیا فتویٰ ہے؟ میں نے کہا: مجھے محمد بن مروان نے مُطرِّف بن شخّیر سے حدیث بیان کی، انھوں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ انھوں نے فرمایا: مسلمان کو قتل کرنا حلال نہیں ہے الاّ یہ کہ اُس میں تین میں سے ایک بات پائی جاتی ہو۔ وہ شادی شدہ زنا کار ہو یا کسی اور کو قتل کرنے کی وجہ سے قصاص میں قتل کیا جائے یا اپنے دین کو چھوڑنے والا اور جماعت سے جدا ہونے والا ہو۔ (۱۰) پھر وہ مجھ سے کہنے لگا: مجھے خلافت کے بارے میں بتاؤ۔ کیا وہ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم کی وصیت نہیں؟ (یعنی ہم اہلِ بیت کی اولاد ہونے کی وجہ سے خلافت کے دوسروں سے زیادہ مستحق ہیں) میں نے کہا: اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کو آگے نہ بڑھنے دیتے۔ کہنے لگا: بنی اُمیّہ کے اموال کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: اگر یہ اُن کے لیے حلال تھے تو تمھارے لیے حرام (کیونکہ اُن کی ملکیت ہیں) اور اگر اُن کے لیے حرام تھے تو تمھارے لیے سخت حرام۔ اُس نے حکم دیا کہ مجھے دربار سے نکال دیا جائے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن علی ایک جبّار بادشاہ تھا جو بہت خون بہانے والا اور سخت مزاج انسان تھا۔ اس کے باوجود تم نے دیکھا کہ حضرت امام اوزاعی حق کی کڑوی باتیں اُس کے منہ پر برملا کہتے جاتے تھے۔ علماءِ سوء کی اُس بھیڑ کی طرح نہیں کہ اُمراء جو کچھ ظلم و زیادتی کریں یہ اُسے اچھا کر کے بتاتے ہیں اور اُن کے لیے باطل کو حق بنا کر دکھاتے ہیں، اللہ اِنھیں ہلاک کرے، یہ حق بیان کرنے کی طاقت رکھتے ہوئے خاموش رہتے ہیں۔ (۱۱)

ابنِ جوزی کہتے ہیں عبدالملک بن عمر بن عبدالعزیز حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس آئے تو کہنے لگے: امیر المؤمنین مجھے آپ سے ایک کام ہے، مجھے تخلیہ میں وقت دیجیے۔ حضرت کے پاس اُس وقت مَسلَمہ بن عبدالملک بیٹھے تھے۔ حضرت نے فرمایا: کیا ایسا راز ہے جو اپنے چچا کے سامنے بھی ظاہر نہیں کر سکتے؟ عبدالملک کہنے لگے: جی ہاں۔ مَسلَمہ اُٹھ کر باہر چلے گئے اور عبدالملک اپنے والد کے سامنے بیٹھ گئے اور کہنے لگے: امیر المؤمنین! کل آپ اپنے رب کو کیا جواب دیں گے، جب وہ آپ سے پوچھیں گے کہ تم بدعت دیکھتے تھے اور اُسے مٹاتے نہیں تھے اور سنت دیکھتے تھے اور اُسے زندہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر فرمانے لگے: یہ بات تم کس وجہ سے کر رہے ہو؟ کیا مجھ سے ملنے کا شوق تھا اس لیے آئے ہو یا درحقیقت یہ خیال تمھارے دل میں تھا؟ عبدالملک نے کہا: ایسا نہیں ہے بلکہ واللہ! یہ میرے دل کا خیال ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ سے سوال کیا جائے گا، آپ جواب میں کیا کہیں گے؟ حضرت عمر فرمانے لگے: اللہ تم جیسے بیٹوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور رحمت نازل کرے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم واللہ! بھلائی کے کاموں میں میرے مددگار ہو گے۔ بیٹا! بات یوں ہے کہ تمھاری قوم نے اس معاملے (یعنی معاملۂ خلافت) کو گرہ در گرہ اور دستہ در دستہ مضبوط کر رکھا ہے، جو کچھ اُن کے ناجائز قبضے میں ہے جب میں وہ چھیننے کے لیے کوئی داؤ پیچ لگاؤں گا تو مجھے ڈر ہے وہ میرے بارے میں ایسی سازش کریں

گے جس سے مسلمانوں کا بہت خون بہے گا۔ جبکہ اللہ کی قسم! دنیا کا زائل ہو جانا مجھے اِس بات سے ہلکا لگتا ہے کہ میری وجہ سے ایک چُلّو بھی خون بہایا جائے۔ کیا تم اِس بات پہ راضی ہو جاؤ گے کہ تمھارا باپ اپنی زندگی کے بچے کھچے ایام ایک دن ایک بدعت مٹاتا رہے، یہاں تک اللہ تبارک وتعالیٰ حق کے ساتھ ہمارا معاملہ فرما دیں۔ (۱۲)

سعید بن سلیمان سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں مکہ کی الشطوی گلی میں تھا، میرے پہلو میں حضرت عبداللہ بن عبدالعزیز عمری تشریف فرما تھے اور اُس سال خلیفہ ہارون رشید حج پر آیا ہوا تھا۔ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عبدالعزیز سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! وہ دیکھیں امیر المؤمنین سعی کر رہے ہیں اور اُن کے لیے مَسْعٰی کو خالی کرا دیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ اُس آدمی کو کہنے لگے: اللہ تمھیں میری طرف سے جزائے خیر نہ دے، تم نے میرے ذمے ایسا کام لگا دیا ہے جو مجھ پر فرض نہ تھا۔ پھر انھوں نے اپنے جوتے اُٹھائے اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں اُن کے پیچھے پیچھے چل پڑا، ہارون مروہ سے صفا کے رُخ پر نمودار ہوا تو انھوں نے اُسے پکارا۔ یا ہارون! جب اُس نے ان کی طرف دیکھا، کہنے لگا: لبیک چچا۔ فرمانے لگے: صفا پر چڑھو۔ جب وہ چڑھ گیا تو فرمایا: بیت اللہ کی طرف نظر ڈالنا، اس نے کہا: میں نے دیکھ لیا۔ فرمانے لگے: کتنے لوگ ہیں؟ کہنے لگا: اِنھیں کون شمار کر سکتا ہے؟ فرمایا: تمھاری رعایا میں اِن جیسے اور کتنے ہوں گے؟ کہنے لگا: ایک بڑی مخلوق ہے جس کا صحیح شمار اللہ ہی جانتا ہے۔ اس پر فرمایا: اے شخص! بالیقین جان لے کہ اِن میں سے ہر ایک سے صرف اُسی کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور تجھ اکیلے سے اِن سب کے بارے میں پوچھا جائے گا، کچھ غور کر کہ کیا بنے گا؟ سعید کہتے ہیں: ہارون بیٹھ گیا اور رونے لگا۔ اُس کے خدام اُسے ایک ایک کر کے آنسو پونچھنے کے لیے رومال دینے لگے۔ حضرت عبداللہ فرمانے لگے: میں ایک اور بات بھی کہوں گا۔ ہارون نے کہا: چچا کہہ دیجیے۔ فرمانے لگے: اگر ایک آدمی اپنے مال میں اسراف کرنے لگے تو شریعت اُس پر پابندی لگاتی ہے۔ واللہ! اُس شخص کے بارے میں کیا ہوگا جو سب مسلمانوں کے مال میں اسراف کرے؟ پھر وہ چلے گئے اور ہارون روتا رہا۔ (۱۳)

امام ذہبی اپنی کتاب میں امام علی بن ابوالطیب نیشاپوری کے حالاتِ زندگی میں لکھتے ہیں کہ اُنھیں سلطان محمود بن سُبکتگین غزنوی کے دربار میں لے جایا گیا، کیونکہ سلطان اُن کا وعظ سننا چاہتا تھا۔ جب وہ داخل ہوئے تو بلا اجازت بیٹھ گئے اور بادشاہ کے حکم کے بغیر حدیث بیان کرنا شروع کر دی۔ بادشاہ اس پر بھڑک اُٹھا۔ اُس نے ایک غلام کو حکم دیا جس نے اُنھیں اتنا زوردار مُکّا مارا جس سے اُنھیں سنائی دینا بند ہوگیا۔ کسی درباری نے سلطان کو امام علی کی دینی وجاہت اور علمی رتبے کے بارے میں بتایا تو اُس نے اُن سے معذرت کی اور اُن کو مال پیش کرنے کا حکم دیا۔ جسے لینے سے اُنھوں نے انکار کر دیا۔ سلطان کہنے لگا: یا شیخ! حکومت کے لیے رعب ودبدبے کی ضرورت ہوتی ہے اِس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے واجب سے تجاوز کیا، لہٰذا مجھے معاف کر دیجیے۔ فرمانے لگے: اللہ ہمارے درمیان گھات میں ہے، تم نے مجھے وعظ و نصیحت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سننے اور خشوع کے لیے بلایا تھا، اپنے سرکاری قوانین نافذ کرنے کے لیے نہیں۔ بادشاہ شرمندہ ہوا اور اُنھیں گلے لگا لیا۔ یاقوت نے اِس واقعے کو تاریخ الأدباء میں نقل کیا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں امام علی کا انتقال سن

۸۵۴ کے شوّال میں سانزوار کے مقام پر ہوا۔(ذہبی کہتے ہیں: جہاد اور فتحِ ہند اور اچھے کارناموں کی وجہ سے محمود ایک اونچے رُتبے والا بادشاہ تھا۔ اُس کی چھوٹی موٹی غلطیاں تھیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اُس نے شرمساری محسوس کی اور معذرت کی، پس ہم ہر متکبر و جبّار حکمران سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ حال یہ ہے کہ ہم ایسے سرکش، جابر حکمرانوں کو دیکھتے ہیں جنھوں نے جہاد کو ختم کر دیا اور دارالاسلام کے شہروں میں ظلم و سرکشی کرنے لگے۔ فواحسرتاً علی العباد!!)۔(۱۴)

عبدالرحمٰن بن رُستہ کہتے ہیں، میں نے حضرت ابنِ مہدی سے مسئلہ پوچھا کہ آدمی کی نئی نئی شادی ہوئی ہو تو وہ کیا چند دن کے لیے با جماعت نماز چھوڑ سکتا ہے؟ فرمایا: ہرگز نہیں! ایک نماز بھی نہیں۔ کہتے ہیں میں اُن کی بیٹی کی رُخصتی سے اگلی صبح اُن کے ہاں تھا، وہ نکلے اور انھوں نے فجر کی اذان دی، پھر اپنے داماد کے دروازے پر تشریف لے گئے، خادمہ سے کہا: اِن دونوں سے کہو نکل کر نماز پڑھو۔ اِس پر عورتیں اور لڑکیاں باہر آ گئیں اور کہنے لگیں: سبحان اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے؟ فرمانے لگے: جب تک وہ نماز کے لیے نہ نکلیں گے میں نہ ہٹوں گا۔ وہ اُن کے نماز پڑھ لینے کے بعد (تیار ہو کر) نماز کے لیے آئے تو آپ نے اُنھیں شہر پناہ سے باہر کی مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے بھیج دیا۔(۱۵)

مُقاتل بن صالح خراسانی سے راویت ہے، کہتے ہیں میں حمّاد بن سَلمہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُن کے گھر میں ایک تو چٹائی تھی جس پر تشریف فرما تھے، ایک مصحف تھا جس کی تلاوت کر رہے تھے، ایک تھیلا تھا جس میں اپنی علمی یادداشتیں اکٹھی کر رکھی تھیں اور بس ایک پانی کا برتن تھا جس سے وضو کرتے تھے۔ میں اُن کی خدمت میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ بجایا۔ فرمانے لگے: بچی باہر نکل کر دیکھو کون ہے؟ خادمہ کہنے لگی: محمد بن سلیمان (حاکمِ وقت) کا قاصد آیا ہے۔ فرمانے لگے: اُسے کہو اکیلا اندر آئے۔ قاصد نے آکر اُنھیں خط پیش کیا جس میں لکھا تھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! محمد بن سلیمان کی طرف سے حماد بن سلمہ کے نام۔ امّا بعد! اللہ آپ کو ویسی صبح عطا فرمائے جیسی وہ اپنے اولیاء اور اہلِ اطاعت کو عطا فرماتے ہیں۔ ہمیں ایک مسئلہ پیش آیا ہے، ہمارے پاس آیئے ہم اُس کے بارے میں آپ سے سوال کرنا چاہتے ہیں۔ والسلام۔ فرمانے لگے: بچی دوات لے کر آؤ۔ اور مجھے حکم دیا کہ اس خط کو اُلٹ کر اس کے پیچھے لکھو۔ امّا بعد! اللہ تمھاری صبح میں بھی ویسی برکتیں عطا فرمائے جیسی وہ اپنی اولیاء اور اہلِ اطاعت کو عطا فرماتے ہیں۔ ہم نے علماء کو پایا ہے کہ وہ کسی کے پاس نہیں جاتے تھے اگر کوئی مسئلہ پیش آیا ہے تو ہمارے پاس آیئے اور جو واقعہ ہے اُس کے بارے میں ہم سے پوچھیے۔ اگر تم میرے پاس آؤ تو اکیلے آنا، اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ مت آنا۔ مزید یہ ہے کہ میں نہ تمھیں نصیحت کرتا ہوں نہ خود کو۔ والسلام۔ کہتے ہیں کہ ابھی میں اُن کے پاس ہی تھا کہ کسی نے دروازہ بجایا۔ فرمانے لگے: بچی! باہر نکل کر دیکھو کون ہے؟ خادمہ نے کہا: محمد بن سلیمان آیا ہے۔ فرمایا: اُسے کہو اکیلا اندر آئے۔ اُس نے آکر سلام کیا اور حضرت حماد کے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر کہنے لگا: ایسا کیوں ہے کہ میں جب کبھی آپ کو دیکھتا ہوں مجھ پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔ حضرت حمّاد نے فرمایا: میں نے ثابت البُنانی سے سنا، وہ کہتے تھے میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا اور وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے تھے: عالم جب اپنے علم سے اللہ عزوجل کی ذات

عالی کو مقصود بنا تا ہے تو ہر شے اُس سے ہیبت زدہ رہتی ہے اور جب وہ اس کے ذریعے سے خزانے اکٹھے کرنا چاہتا ہے تو ہر ایک چیز کی ہیبت کھاتا ہے۔ (۱۶) محمد بن سلیمان کہنے لگا: چالیس ہزار درہم کا نذرانہ پیش خدمت ہے اِسے قبول فرما کر اپنے حالات کو بہتر بنائیے۔ فرمانے لگے: یہ اُن لوگوں کو واپس کردے جن سے چھینے ہیں۔ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں آپ کی خدمت میں وہی مال پیش کر رہا ہوں جو مجھے وراثت میں ملا ہے۔ فرمانے لگے: مجھے اِن کی ضرورت نہیں ہے، تم اِنھیں مجھ سے دور کرو۔ اللہ تم سے تمھارے گناہوں کا بوجھ دور کرے گا۔ کہنے لگا: بانٹ دیجیے گا۔ فرمایا: ہوسکتا ہے کہ میں تقسیم کرنے میں عدل سے کام بھی لوں لیکن کسی کو نہ ملے ہوں اور وہ کہنے لگے: اِس نے ناانصافی کی۔ تم اِنھیں مجھ سے دور کرو۔ اللہ تم سے تمھارے گناہوں کا بوجھ دور کرے گا۔ (۱۷)

﴿حواشی﴾

(۱) حدیث بیعت کو بخاری شریف میں روایت کیا گیا ہے، کتاب الاحکام، باب: **کیف یبایع امام الناس**، حدیث نمبر ۷۱۹۹۔۷۲۰۰

(۲) سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۷ نیز حدیث: جب تم تعریف کرنے والوں الیٰ آخرہٖ، کو امام مسلم نے باب النہی عن المدح میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حدیث نمبر: ۳۰۰۲

(۳) سیر اعلام النبلاء، ج:۱،ص:۳۶۳، اس واقعہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے امام ابوداؤد نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: حدیث نمبر ۴۳۶۲، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو: ۴۳۶۱

(۴) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ مزاج مبارک میں زہد بہت زیادہ تھا، ہر قسم کا ضرورت سے زائد مال اکٹھا کرنا ناپسند فرماتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں کچھ اصحاب سے کسی قدر شکر رنجی کی کیفیت پیش آئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی کہ آپ اس مسئلے میں اپنے اعلیٰ ذوق اور ایمانی کیفیت کا اظہار کرنے میں کسی قدر سختی فرماتے ہیں، آپ فتویٰ دینے سے گریز فرمایا کریں۔

(۵) سیر اعلام النبلاء، ج:۲،ص:۶۴ (۶) سیر اعلام النبلاء، ج:۱۵،ص:۳۷۴ (۷) صفۃ الصفوۃ، ج:۱،ص:۶۷۲

(۸) صفۃ الصفوۃ، ج:۲،ص:۱۸۱ (۹) مراد ہے: انما الاعمال بالنیات، یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ یہ حدیث بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے اور مسلم شریف میں کتاب الامارۃ میں روایت کی گئی ہے، حدیث نمبر: ۱۹۰۷

(۱۰) بخاری شریف، باب قولہ تعالیٰ ان النفس بالنفس، حدیث نمبر: ۶۸۷۸، مسلم شریف، باب القسامۃ، حدیث نمبر: ۱۶۷۶

(۱۱) سیر اعلام النبلاء، ج:۷،ص:۱۲۴، ۱۲۵ (۱۲) صفۃ الصفوۃ، ج:۲،ص ۱۲۸ (۱۳) صفۃ الصفوۃ، ج:۲،ص:۱۸۲

(۱۴) سیر اعلام النبلاء، ج:۱۸،ص:۱۷۳۔۱۷۴ (۱۵) سیر اعلام النبلاء، ج:۹،ص:۲۰۴ (۱۶) کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۶۱۳۱، مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: امام زبیدی کی کتاب: تخریج احادیث احیاء العلوم الدین، ج:۲،ص:۱۰۸۷

(۱۷) صفۃ الصفوۃ، ج:۳،ص:۳۶۱

نعت

سلیم احمد

طبیعت تھی میری بہت مضمحل ...... کسی کام میں بھی نہ لگتا تھا دل
بہت مضطرب تھا ، بہت بے حواس ...... کہ مجھ کو زمانہ نہ آیا تھا راس
مرے دل میں احساسِ غم رَم گیا ...... غبار آئینے پر بہت جم گیا
مجھے ہو گیا تھا اک آزار سا ...... میں تھا اپنے اندر سے بیمار سا
یونہی کٹ رہی تھی مری زندگی ...... کہ اک دن نویدِ شفا مل گئی
مجھے زندگی کا پیام آ گیا ...... زباں پر محمد ﷺ کا نام آ گیا
محمد ﷺ قرارِ دلِ بے کساں ...... کہ نامِ محمد ﷺ ہے آرامِ جاں
ریاضِ خدا کا گلِ سر سبد ...... محمد ﷺ ازل ہے محمد ﷺ ابد
محمد ﷺ کہ حامد بھی محمود بھی ...... محمد ﷺ کہ شاہد بھی مشہود بھی
محمد ﷺ کہ باطن بھی ظاہر بھی ہے ...... محمد ﷺ کہ اوّل و آخر بھی ہے
محمد ﷺ بشیر و محمد ﷺ نذیر ...... محمد ﷺ سراج و محمد ﷺ منیر
محمد ﷺ خلیل و کریم و حکیم ...... محمد ﷺ عزیز و رؤف و رحیم
محمد ﷺ کلیم و محمد ﷺ کلام ...... محمد ﷺ پہ لاکھوں درود و سلام

not found.

منقبت امیر المؤمنین سیدنا مروان بن حکم رضی اللہ عنہما

یوسف طاہر قریشی

اک پیکرِ شجاعت، مروان بن حکمؓ تھے　　تصویرِ عزم و ہمت، مروان بن حکمؓ تھے (۱)
کتنے ہی پاک طینت مروان حکمؓ تھے
کتنے ہی نیک سیرت مروان بن حکمؓ تھے

عم زاد اور داماد عثمانؓ کے تھے بے شک　　اک بہترین قاری قرآن کے تھے بے شک (۲)
اور اک فقیہِ اُمّت مراون بن حکمؓ تھے
کتنے ہی نیک سیرت مروان بن حکمؓ تھے

مہر و وفا کا نیّرِ تاباں کہوں میں اُن کو　　اور شیفتۂ خواجۂ گیہاںؐ کہوں میں ان کو
عمدہ خطیب حضرت مروان بن حکمؓ تھے
کتنے ہی نیک سیرت مروان بن حکمؓ تھے

وہ خود بھی تھے صحابی والد بھی تھے صحابی　　رکھتے تھے اپنے دل میں وہ حُبِّ ابُو ترابیؓ (۳)
فرّخ نصیب حضرت مروان بن حکمؓ تھے
کتنے ہی نیک سیرت مروان بن حکمؓ تھے

مروانؓ سے محبت حسنینؓ خوب رکھتے　　اور زینؓ قرض ان سے اکثر لیا تھے کرتے (۴)
اک پیکرِ سخاوت مروان بن حکمؓ تھے
کتنے ہی نیک سیرت مروان بن حکمؓ تھے

اصحاب سے حدیثیں کرتے تھے وہ روایت　　اوران سے تابعیں نے روایت ہیں کی بکثرت (۵)
بے شک پابندِ سنّت مروان بن حکمؓ تھے
کتنے ہی نیک سیرت مروان بن حکمؓ تھے

بہتان ان پہ باندھے اپنوں پرایوں نے کیا　　کذّاب راویوں پہ اندھا کیا بھروسا!
رب نے دی جن کو عزت مروان بن حکمؓ تھے
کتنے ہی نیک سیرت مروان بن حکم تھے

مروانؓ نے نہ ہرگز قبضہ کیا فدک پر　　الزام ان پہ دھرنا یوں ہی نہ تم بھڑک کر (۶)
ایسی نہ کرتے جرأت مروان بن حکمؓ تھے
کتنے ہی نیک سیرت مروان بن حکمؓ تھے

باغِ فدک کے نگراں حضرت علیؓ بنے تھے　　اور ان کے بعد بیٹے اور پوتے ہی بنے تھے
قطعاً امین فطرت مروان بن حکم تھے
کتنے ہی خوب سیرت مروان بن حکم تھے

باغی فسادیوں نے مکتوب خود لکھا تھا　　مروان بن حکمؓ کا پھر نام لے دیا تھا
کرتے نہ ایسی حرکت مروان بن حکمؓ تھے
کتنے ہی نیک سیرت مروان بن حکمؓ تھے

''کینہ رکھے جو دل میں اصحاب کا، ہے ناری''　　میں نے سنا تھا اک دن کہتے تھے یہ بخاری (۷)
تصویرِ عزّ و غیرت مروان بن حکمؓ تھے
کتنے ہی نیک سیرت مروان بن حکمؓ تھے

مظلوم ہیں یہ سب سے اصحاب مصطفیٰ میں　　ان کا مقام ہے اک احبابِ مصطفیٰ میں
طاہر خصال حضرت مروان بن حکمؓ تھے
کتنے ہی نیک سیرت مروان بن حکمؓ تھے

حواشی

[۱] حضرت مروان رضی اللہ عنہ بڑے مدبر، معاملہ فہم، عمدہ منتظم اور جرأت مند انسان تھے۔ ان کی انھی خوبیوں کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت راشدہ میں انھیں مکہ مکرمہ اور طائف کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ (مسجدِ نبوی کے پاس مکانات صحابہ، ص: ۴۷، مؤلفہ: ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی)۔ بعد میں خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کو ''البحرین'' کے علاقہ کا والی و حاکم مقرر کیا گیا۔ (تاریخ خلیفہ بن خیّاط، ج:۱، ص:۱۵۹)۔ افریقہ کی جنگ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سعدؓ بن ابی سرح کی امداد اور کمک کے لیے مدینہ منورہ سے جو عظیم لشکر بھیجا تھا، اس میں حضرت مروان رضی اللہ عنہ بھی (شجاعت کے جوہر دکھانے کے لیے) شامل تھے۔ (فتوح البلدان، ص:۲۳۴)

[۲] سیدنا مروان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی، داماد اور کاتب بھی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ اُمّ ابان رحمہا اللہ حضرت مروان رضی اللہ عنہ کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ (نسب قریش، ص:۱۱۲)۔ ایک موقع پر

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی علمی عظمت اور فضیلت کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''**القاری لکتاب اللّٰہ، الفقیہ فی دین اللّٰہ، الشدید فی حدود اللّٰہ**''۔(البدایۃ والنہایۃ، ج:۸،ص:۲۵۷۔ سیر اعلام النبلاء، ج:۳،ص:۴۷۷)۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا کہ علمی طور پر ان کا مقام اس قدر بلند تھا کہ: **کان یعد فی الفقھاء**'' ان کا شمار فقہائے امت میں سے ہوتا تھا۔ (الاصابہ، ج:۳،ص:۴۷۷)۔

[۳] سیدنا مروان رضی اللہ عنہ صغار صحابہ میں سے ہیں اور صحابہ کے اس زمرہ میں شامل ہیں جن میں سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار، سیدنا مسور بن مخرمہ اور سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے: **وھو صحابی عند طائفۃ کثیرۃ لانہ ولد فی حیاۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم** (البدایۃ والنہایۃ، ج:۸،ص:۲۵۷)۔ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے آپس میں خاندانی تعلقات تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی ایک صاحبزادی سیدہ رملہ رحمہا اللہ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے معاویہ بن مروان کے نکاح میں تھیں۔ (جمہرۃ النساب العرب،ص:۸۷) آپ رضی اللہ عنہ کی ایک اور صاحبزادی امیر المؤمنین عبدالملک بن مروان کے نکاح میں تھیں۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج:۹،ص:۶۹)۔

[۴] امیر المؤمنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مروان رضی اللہ عنہ کو اپنے عہدِ خلافت میں مدینہ طیبہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ آپ اس منصب پر کئی سال تک فائز رہے اور اس زمانہ میں ان کے خاندانِ نبوت کے ساتھ بہت اچھے تعلقات رہے۔ بعض دفعہ ایک لاکھ درہم سیدنا زین العابدین نے ان سے بطور قرض حسنہ لیے اور بعد میں وہ قرض حسنہ واپس نہ لیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۸،ص:۲۵۸)۔ اسی پر بس نہیں بلکہ قیامِ مدینہ کے دوران سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما ان کی امامت میں نمازیں بھی پڑھتے تھے اور انہیں لوٹاتے نہیں تھے بلکہ صحیح سمجھتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۸،ص:۲۵۸۔ سیر اعلام النبلاء، ج:۳،ص:۴۷۸۔ تاریخ صغیر بخاری،ص:۵۷۔ بحارالانوار ملا باقر مجلسی، ج:۱۰،ص:۱۳۹)۔

[۵] آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر، سیدنا علی، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا ابوہریرہ، سیدنا عبدالرحمٰن بن الاسود، سیدنا بسرۃ بن صفوان رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آپ کی کچھ روایات احادیث کی کتب میں مروی ہیں لیکن محققین کے نزدیک وہ روایات مرسل ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسم سے آپ کی رؤیت تو ثابت ہے لیکن روایت (سماع) ثابت نہیں۔ (الاصابہ، ج:۳،ص:۴۷۷)۔ سیدنا مروان رضی اللہ عنہ سے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے سعید بن المسیّب، علی بن الحسین، (زین العابدین)، عروہ بن زبیر، ابوبکر بن عبدالرحمٰن الحارث، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، مجاہد، ابوسفیان اور آپ کے بیٹے عبدالملک نے احادیث روایت کی ہیں۔ (تہذیب التہذیب، ج:۱۰،ص:۹۱۔ الاصابہ، ج:۳،ص:۴۷۷۔ سیر اعلام النبلاء، ج:۳،ص:۴۷۶۔ تفصیل سے ملاحظہ کریں: پروفیسر قاضی محمد طاہر علی ہاشمی کی تالیف ''سیدنا امیر مروان بن حکم رضی اللہ عنہ شخصیت و کردار۔

[۶] محقق العصر جید عالم مولانا محمد نافعؒ، فاضل دارالعلوم دیوبند اپنی مشہور تالیف ''رحماء بینھم'' ج:۱،ص:۱۰۴۔۱۰۵ پر رقم طراز ہیں:
''ناظرین کی خدمت میں گزارش ہے کہ جیسے رشتہ داران رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ خمس خیبر (بشمولیت فدک) کے متعلق تفصیل سے یہ بات پیش کی گئی ہے کہ آلِ رسول کا حصہ خمس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں تقسیم ہو کر ملتا تھا ٹھیک اسی طرح مالِ فئی میں جو آل رسول کا حق تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اوران کی اولاد شریف کے ہاتھ میں دے دیا گیا تھا، ہاشمی حضرات مالِ فئی میں سے اپنے حصہ کو آپس میں خود تقسیم کرتے تھے۔ مسند ابوعوانہ اسفرائنی اور صحیح بخاری اور السنن الکبری، بیہقی، وفاء الوفا لنورالدین السمہودی میں یہ روایت طوالنی مفصل مذکور ہے۔ اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ مدینہ کے اموال بنی نضیر وغیرہ میں بنی ہاشم و آل رسول کا حصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دستِ تصرف میں تھا پھر یہ ان کے بعد امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں تھا، پھر امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں تھا، پھر امام زین العابدینؒ کے ہاتھ میں تھا، پھر حسن بن امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، پھر زید بن حسن کے ہاتھ میں تھا۔ مالِ فئی کی آمدن اور وصولی کے مسئلہ کو شیعہ علماء نے ان کے زیرِ تصرف ہونا تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید۔ عثمان بن حنیف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کا عامل تھا، اس کو حضرت علی نے ایک خط میں لکھا اس کے الفاظ ہیں: ''بلیٰ کانت فی ایدینا فدک الخ''۔ اس متن کے تحت ابن ابی الحدید نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں ''فدک'' کے لیے تین فصل قائم کیے ہیں۔ متعدد دفعہ اس نے یہ مسئلہ تسلیم کیا ہے کہ فدک وغیرہ کی آمدنی خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اوران کی اولاد شریف کے زیرِ تصرف تھی۔ چنانچہ لکھا ہے: **فغلب علی عباسا علیھما. فکانت بید علی ثم کانت بید الحسن ثم کانت بید الحسین ثم علی بن الحسین ثم الحسن (مثنی) بن الحسن ثم زید بن الحسن** (رحمآء بینھم، ص:۱۱۱، مطبوعہ: دارالکتاب، لاہور)۔ اب عرض ہے کہ حضرت زید بن الحسن مثنیٰ نے ۹۰ سال کی عمر پا کر ۱۲۰ھ میں وفات پائی جب کہ سیدنا مروان بن الحکم رضی اللہ عنہما کی وفات رمضان المبارک ۶۵ھ میں ہوئی جب کہ فدک وغیرہ کی آمدن حضرت علی رضی اللہ عنہ اوران کی اولاد شریف کی پشتوں تک نگرانی میں رہی حتیٰ کہ ۱۲۰ھ تک حضرت زید بن الحسنؒ کی نگرانی میں رہی، پھر حضرت مروانؓ اوران کے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کا قبضہ کب ہوا جبکہ حضرت مروانؓ ۶۵ھ میں، عبدالملک بن مروان ۸۶ھ میں، عبدالعزیز بن مروان ۸۵ھ میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ اس لیے حضرت مروانؓ کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے فدک کی جاگیر پر قبضہ کر کے اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کو یہ جاگیر دے دی پھر ان کے پوتے عمر بن عبدالعزیز نے واپس لے لی یہ سب داستان جھوٹ کا پلندہ، جعلی اور وضعی ہے۔ تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں کتاب ''رحمآء بینھم، ج:۱،ص:۱۱۱۔۱۱۲)۔

[۷] مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

☆......☆......☆

اے کشمیر کے شہید!

پروفیسر خالد شبیر احمد

زندہ دلانِ وادیٔ کشمیر زندہ باد — دل بستگانِ غیرتِ شبیرؒ زندہ باد
تیری شجاعتوں کے ترانے فضاؤں میں — عشق و جنوں کی بولتی تصویر زندہ باد
ظلم و ستم کے سامنے سینہ سپر ہے تو — ہے لب پہ تیرے نعرۂ تکبیر زندہ باد
گونجا جہاں میں تیرا شعلہ صفت پیام — عظمت کی تو نے لکھی ہے تحریر زندہ باد
روکے گا آج کون یہ صف شکن افواج — باطل کی رگ پہ دین کی شمشیر زندہ باد
بھارت ہر ایک ظلم کی حد سے گزر گیا — ہے حق کی تیرے ہاتھ میں توقیر زندہ باد
کس شانِ اعتماد سے شہ رگ پہ کفر کی — مارا ہے تو نے کھینچ کے کیا تیر زندہ باد
بڑھتا گیا ہے جانبِ منزل تو بے خطر — ہیں ساتھ تیرے خالدؒ و شبیرؒ زندہ باد
لاریب تو ہے عظمتِ احرار کا امیں — اُن کے سنہرے خواب کی تعبیر زندہ باد
گرنے کو ہے یہ ظلم کی دیوار بالیقیں — ہے ٹوٹنے کو کفر کی زنجیر زندہ باد
مداح تیرے آج بھی سب حریت پسند — اے حرفِ حُر کی گونجتی تعبیر زندہ باد
اک دن بنے یہ خطّۂ کشمیر ارضِ پاک — ہے یہ دعائے خالدؔ شبیر زندہ باد

found.

محمد شفیق مرزا مرحوم...... ختم نبوت کا سچا محافظ

اویس حفیظ

ایک سال گزر گیا، سوچا بھی نہ تھا کہ یہ سال اس قدر ہنگامہ خیز ہو گا کہ آج، کل، آج، کل کرتے پورے ایک سال بعد محمد شفیق مرزا صاحب کی شخصیت پر کچھ لکھنے کی نوبت آئے گی۔ اس ایک سال میں وہ کچھ دیکھنے کو ملا کہ مرزا صاحب حیات ہوتے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہ کرتے۔ مثلاً ''ریاض صحافی'' کی یہ خبر ہی کیا کم صدمہ تھی کہ ''کالم نگاروں کے گرو شفیق مرزا کی رسمِ قل میں 21 لوگوں کی شرکت''۔ یہ شفیق مرزا کوئی عام شخص نہ تھا کہ ہارون الرشید صاحب نے ''وفاتِ حسرتِ آیات'' لکھتے ہوئے کہا کہ ''آدمیوں کی طرح شہر بھی مر جاتے ہیں، رفتہ رفتہ، دھیرے دھیرے، کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ مرزا صاحب کی وفات کے بعد لاہور کچھ اور مفلس ہو گیا''۔ ایسے شخص کی اس قدر ناقدری...... الامان!

میں جب بھی ان کا تصور ذہن میں لایا ان کا وہی ہنستا مسکراتا چہرہ میری نظروں کے سامنے آیا جو ہر روز آفس میں داخل ہونے کے بعد مجھے نظر آتا تھا۔ انہیں سات دن تک موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا دیکھ کر مجھے اذیت ہوتی تھی کہ جس شخص نے ہمیشہ پانی بھی خود اٹھ کر پیا ہو اور جو کسی سے کوئی کام کہنے کا روادار نہ ہو، اگر وہ اس طرح خود کو وینٹی لیٹر پر دیکھے گا تو اس پر کیا بیتے گی؟ مگر وہ شفیق مرزا ہی تھے، خودداری کا پیکر، اسی لیے اس نے کسی پر زیادہ بوجھ بننا گوارا نہیں کیا اور اس فانی زندگی کی قید سے رہا ہو کر ابدیت کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ میرا ان سے تعلق ایک ایسا سرمایہ ہے جس پر فخر کرنے میں مَیں حق بجانب ہوں۔ اور اسے میں اپنی خوش قسمتی ہی کہوں گا کہ مجھے عملی صحافت کے ابتدائی دنوں میں ہی اس میدان کے بڑے ناموں کے زیرِ سایہ کام کرنے کا موقع میسر آیا اور اگر میرے کام میں کوئی رمق یا کوئی نکھار موجود ہے تو اس کا تمام تر کریڈٹ انہی اساتذہ کو جاتا ہے جنھوں نے اپنی ذات سے نکل کر، قدم کے ساتھ قدم ملا کر مجھے دشوار گزار راستوں پر چلنا سکھایا۔

اگر شفیق مرزا صاحب کی شخصیت کی بات کی جائے تو اس حوالے سے بہت سے پہلو نامی گرامی قلمکاروں کی بدولت منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ حامد میر، عطاء الحق قاسمی، حسن نثار، ہارون الرشید، عابد تہامی اور ارشاد احمد عارف سمیت بے شمار لوگوں نے مرزا صاحب سے اپنے تعلق کی لاج رکھی اور ان کے کام اور شخصیت کو اجاگر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ان کی وفات کے بعد ہر شخص نے اپنے اپنے انداز میں انہیں خراجِ تحسین پیش کیا لیکن مرزا صاحب کے حوالے سے ایک جامع تعزیتی ریفرنس نہ ہو سکنے کے باعث ایک تشنگی رہ گئی تھی۔ حالانکہ اس میں کوئی شخصی قصور نہ تھا۔ یہ بھی کل کی بات محسوس ہوتی ہے کہ استاذی جناب تاثیر مصطفیٰ صاحب اور مرحوم و مغفور انور قدوائی صاحب نے تعزیتی ریفرنس کا بیڑہ اٹھایا۔ اس حوالے سے مرزا صاحب کے

جاننے والے تمام افراد کی ایک لسٹ بھی بنائی گئی مگر انور قدوائی صاحب کی اچانک رحلت کے بعد ایک دوسرے صدمے نے آن لیا اور مرزا صاحب کا تعزیتی ریفرنس پیچھے رہ گیا۔ اسی لیے یہ مجھ پر بھی ایک بہت بڑا قرض تھا اور میں نے محض اپنا فرض و قرض ادا کرنے کی غرض سے قلم اٹھایا ہے وگرنہ مرزا صاحب سے تعلق کے باب میں، میں کیا، میری مجال کیا؟

اگرچہ مرزا صاحب کے شخصی پہلوؤں پر بہت سوں نے بات کی اسی لیے میں چاہتا تھا کہ میں مرزا صاحب کی ذات کا وہ پہلو سامنے لاؤں جس پر سب سے کم بات کی گئی یا ''پیشہ ورانہ مجبوریوں'' کے سبب جس پہلو سے جان بوجھ کر پہلو تہی کی گئی اور وہ پہلو مرزا صاحب کا قادیانیت کے خلاف محاذ ہے۔

مرزا صاحب کے جاننے والے بہت سے لوگوں کے لیے یہ سوال کسی معمے سے کم نہیں کہ محمد شفیق مرزا کون تھے؟ وہ سرخ جھنڈا تھامنے والا شخص جس سے ایک زمانہ واقف تھا یا وہ شخص جس نے نظر نہ آنے والا ایک سبز چوغا پہن رکھا تھا اور جو مذہب کے معاملے میں از حد حساس واقع ہوا تھا۔

میں نے لوگوں کی ایک قسم سن رکھی تھی جنہیں سمجھانے کی غرض سے ''ناریل یا کوکونٹ'' کہتے تھے، بالخصوص برٹش انڈیا میں ایسے لوگوں کی بھرمار تھی جو باہر سے براؤن تھے مگر ان کے اندر سے ''گورا صاحب'' برآمد ہوتا تھا۔ پھر اسی قسم کی ایک اور قوم سامنے آئی جسے ''تربوز'' کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ باہر سے تو سبز ہوتے ہیں بڑا مذہب مذہب کرتے ہیں مگر اندر سے یہ پورے سرخ ہوتے ہیں اور جیسے ہی انہیں کوئی موقع ملتا ہے تو سب سے پہلے مذہب کو گلے سے اتارتے ہیں اور پھر مذہب کے خلاف ہی محاذ کھول کر بیٹھ جاتے ہیں مگر محمد شفیق مرزا کی صورت میں، میں نے وہ شخصیت دیکھی جو ان دونوں کے بالکل برعکس تھی۔ سوشلزم اور لبرل ازم پر جتنا مرزا صاحب کو عبور تھا، کسی کو کیا ہوگا مگر آپ ظاہراً لال اور اندر سے پورے سبز تھے!

میں نے اکثر نوٹ کیا کہ جہاں کہیں مرزا صاحب کا نام لکھا ہوتا، وہ اپنے نام کے ساتھ ''محمد'' لازمی لکھتے تھے حالانکہ میرے ساتھ بالکل برعکس معاملہ ہے مگر مرزا صاحب کی شخصیت میں جو چند پہلو بہت نمایاں تھے اُن میں ان کا مذہبی رجحان بھی تھا۔ اگرچہ اس جملے پر بہت سے لوگوں کو اعتراض ہوگا کہ مرزا صاحب تو ''سرخے'' تھے اور ماضی میں وہ سوشلزم و کمیونزم کے داعی بھی رہ چکے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ بیک وقت مذہب پسند بھی ہوں تو اس حوالے سے وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مذہب کے بغیر کوئی بھی چیز اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی اور سوشلزم اور اسلام کے تعلق کے حوالے سے بھی وہ ایک خط (غالباً لینن کا خط جو اس نے انٹرنیشنل سوشلسٹ کونسل کو لکھا تھا) کا حوالہ دیا کرتے تھے جس میں اسلام کو سوشلزم کے قریب تر مذہب کہا گیا تھا۔ پھر اسی حوالے سے ایک اور واقعہ مجھے یاد ہے کہ وفات سے چند ہفتے قبل انہوں نے ''دہشت گردوں کو سزائے موت کی توثیق'' کے عنوان سے ایک شذرہ لکھا۔ اگرچہ اخبارات کے اداریے میں اداریہ نویس کا نام نہیں لکھا ہوتا مگر

مرزا صاحب کے اسلوب و اندازِ تحریر سے یہ پتہ لگانا چنداں مشکل نہ ہوتا تھا کہ کون سا اداریہ یا شذرہ انہوں نے لکھا ہے۔ مذکورہ شذرے میں انہوں نے ایک جملہ یہ بھی لکھا کہ: قرآن حکیم قصاص کو قومی زندگی کی بقا قرار دیتا ہے، لہٰذا دہشت گردوں کو قصاص کے طور پر لازمی قتل کیا جائے۔ اگلے دن ہم معمول کے مطابق آفس میں بیٹھے تھے، ایک فون آیا، مرزا صاحب ہیں، میں نے یہ سنا تو فون مرزا صاحب کو پکڑا دیا۔ مرزا صاحب نے فون سنا اور کچھ سخت باتیں بھی کیں، فون بند ہو گیا تو میں نے پوچھا کون تھا؟ کہنے لگے ''تھا کوئی''۔ پھر کچھ توقف کے بعد کہا کہ ایک شخص ادارتی نوٹ کے حوالے سے اعتراض کر رہا تھا کہ آپ تو اچھے خاصے ''لبرل'' آدمی ہیں، آپ نے یہ جملہ کیوں لکھا ہے؟ ارے بھئی میں لبرل ضرور ہوں مگر مسلمان بھی ہوں اور مسلمان کے لیے قرآن سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔

اس سے قبل ایک شذرے میں انہوں نے ''مخالف اطراف کے ہاتھ پاؤں کاٹنے'' کی قرآنی سزا کا بھی ذکر کیا تھا جس پر کچھ لوگ بہت سیخ پا ہوئے تھے مگر اس وقت بھی ان کا یہی جواب تھا کہ انسانی عقل کی اس قدر استعداد ہی نہیں کہ قرآن کے احکامات کی حکمت جان سکے، جس نے انسان کو، اس دنیا بلکہ پوری کائنات کو خلق کیا ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ انسان کے لیے کیا بہتر ہے اور ویسے بھی جہاں حکم آجائے وہاں کیسی تاویل اور کیسے سوالات؟

ان سے میری آخری ملاقات میں بھی یعنی اتوار 13 نومبر 2016ء کو بھی، جس دن اُن کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا، ایک معروف کالم نگار کے کالم کے حوالے سے بات ہو رہی تھی کہ انہوں نے یہ، یہ لکھا ہے تو انہوں نے اپنا ایک جملہ' جو وہ پہلے بھی کئی بار کہہ چکے تھے، دہرایا کہ ''لوگوں کو سمجھ نہیں آتی کہ مسائل وہی رہتے ہیں اور ان کا حل بھی وہی ہوتا ہے۔ بس ذرا سمجھنا پڑتا ہے۔ خدائے کائنات، جس نے پوری دنیا خلق کی، کیا اسے علم نہیں تھا کہ لوگوں کو کیا کیا مسائل پیش آسکتے ہیں؟ اسی لیے اس نے تمام مسائل کا حل قرآن کی صورت میں دے کر بھیجا ہے''

چونکہ آپ مرزائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہوئے تھے، اور قادیانیوں کے مرکز میں رہنے کا بھی آپ کو اتفاق ہوا تھا اسی باعث آپ قادیانی فتنے کی گہرائی اور گیرائی سے خوب واقف تھے۔ ایک بار مرحوم و مغفور جناب انور قدوائی نے مرزا صاحب کے سامنے مجھے کہا کہ آپ کو پتا ہے کہ مرزا صاحب پہلے قادیانی تھے؟ میں اگرچہ اس حوالے سے ایک دو اُڑتی اُڑتی باتیں سن چکا تھا مگر اس کے باوجود میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اگلے روز مرزا صاحب نے اپنے قادیانیت سے اسلام تک کے سفر کی کہانی مجھے خود سنائی۔ اس کے بعد میں نے ان کی کتاب ''شہرِ سدوم'' کا بھی مطالعہ کیا جس کے چند واقعات مجھے مرزا صاحب وقتاً فوقتاً سنا چکے تھے۔ چونکہ مذہب کے حوالے سے ہماری گفتگو ہمیشہ اجتماعیت اور تشریحات تک محدود ہوتی تھی اس وجہ سے میں نے کبھی بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ انہوں نے ایک بار مجھے یہ بتایا تھا کہ ''میں نے ردِ قادیانیت میں فلاں فلاں کتابیں

(انہوں نے چھ یا سات کتابوں کے نام لیے) لکھی ہیں، البتہ لٹریچر کافی لکھا اور ختم نبوت تحریک میں عملی حصہ بھی لیا''۔

جب مشہور ناول نگار اشتیاق احمد کی وفات پر ان کے حوالے سے بات چیت ہو رہی تھی تو مرزا صاحب کہنے لگے وہ میرا جاننے والا تھا۔ میں نے کہا: میں نے بچپن میں اشتیاق احمد کے بہت ناول پڑھے ہیں، انہوں نے بھی قادیانیوں کے حوالے سے ایک، دو ناول لکھے ہیں۔ مرزا صاحب نے فوری تصحیح کی ''وادیٔ مرجان، ایک ہی ناول ہے اُس کا، جو قادیانیوں کے بارے میں ہے اور یہ بھی اس نے میرے کہنے پر ہی لکھا تھا'' میں نے حیرانی سے پوچھا کہ کیا واقعی ''ربوہ'' ایسی ہی جگہ ہے جیسی اس ناول میں بتائی گئی ہے؟ کیا وہ جگہ پاکستان سے باہر محسوس ہوتی ہے؟ جواباً آپ نے بتایا کہ وہاں ان کے فلاں، فلاں خلیفہ کی قبر پر یہ تختی لگی ہے کہ ہم یہاں پر امانتاً دفن ہیں، جب ہندوستان اور پاکستان دوبارہ ایک ہو جائیں گے (خاکم بدہن) تو ہمیں واپس قادیان جا کر دفنایا جائے۔ پھر کہا کہ: میں نے یہ قبریں اور تختیاں خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں، اب وہاں اسی لیے تو جانے نہیں دیتے۔ پاکستان کی جس قدر مخالفت یہ لوگ کرتے ہیں، شاید ہی کوئی کرتا ہو اور ویسے یہ عقائد کا نہیں محض معاش کا مذہب ہے۔ ان کا مسئلہ صرف پیسہ ہے۔ یورپ کی طرف سے ان لوگوں کی فنڈنگ ہوتی ہے جس وجہ سے یہ مذہب آج تک چل رہا ہے۔ آپ جرمنی، برطانیہ اور چند ملکوں میں سیاسی پناہ کے لیے درخواست دو اور صرف اتنا کہہ دو کہ میں قادیانی ہوں، میری جان کو پاکستان میں خطرہ ہے پھر باقی کا تماشا خود دیکھ لو۔

آپ نے قادیانیت کے ساتھ ساتھ اپنی سابقہ زندگی، رشتے داروں، دوست احباب کو بھی خیر باد کہہ دیا تھا حد تو یہ ہے کہ قادیانیت چھوڑنے پر آپ کو گھر سے نکال دیا گیا اور بقول آپ کے صرف آپ ہی نہیں، آپ جیسے سینکڑوں ہزاروں افراد ایسے ہیں جو قادیانیت سے تائب ہوئے تو صفر پر آ گئے مگر اس کی وجہ سے کہیں پر انسانی حقوق کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچی، کوئی جماعت، کوئی تنظیم اس پر احتجاج کے لیے راضی نہیں۔ اسی وجہ سے آپ نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیموں سے بھی نالاں نظر آتے تھے۔

قادیانیوں کے سارے خلفاء، ان کی آل اولاد، آباء و اجداد، کچا چھٹا، اگلا پچھلا سب آپ کو زبانی یاد تھا اور ختم نبوت کے آپ ایسے سچے سپاہی تھے کہ اگر کہیں پر ذرا سا شبہ بھی ہوتا تو آپ آستینیں چڑھا کر فوری جوابی اقدام کے لیے تیار ہو جاتے۔ ان کی وفات سے کچھ عرصہ قبل قدوائی صاحب نے ذکر کیا کہ فلاں ''نظریاتی شخص'' کے انگریزی اخبار میں فلاں کالم نگار نے قادیانیوں کو ''احمدی مسلمان'' لکھا ہے تو آپ نے فوراً کہا کہ آئینِ پاکستان کے تحت نہ صرف یہ جرم ہے بلکہ ایسے شخص پر مقدمہ بھی درج ہوسکتا ہے، میں فوری طور پر اس کا کچھ بندوبست کرتا ہوں مگر قدرت نے آپ کو اس کی مہلت نہ دی۔ خدا آپ کو آپ کی نیت کا بہترین اجر دے، آپ کی قبر کو کشادہ کرے اور اسے جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنائے، آمین!

علامہ اقبال یونیورسٹی اور قادیانیت کی وکالت

محمد عرفان الحق ایڈووکیٹ

[وطن عزیز پاکستان میں برعکس نہند نام زنگی کافور کا چلن بہت عام ہے۔ یہی دیکھ لیجیے کہ قادیانی دین کے سنجیدہ ناقدین میں نمایاں نام شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال کے نام پر بنائی جانے والی قومی جامعہ کے حوالے سے انھی دنوں اوپر تلے دو افسوس ناک باتوں کا تذکرہ ذرائع ابلاغ میں آیا۔ یعنی ایک تو مشہورِ زمانہ قادیانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام کو اپنی نصابی کتاب میں اسلام کا سرٹیفکیٹ عنایت کرنا۔ اور دوسرے اسلامیات کے طلبا کو مطالعۂ تفسیر کے لیے مولوی محمد علی لاہوری مرزائی کی تحریفات کے مطالعے کی ترغیب دینا۔ جب ختم نبوت کی مبارک محنت سے تعلق رکھنے والے ساتھیوں کے سامنے یہ باتیں آئیں تو ہم نے چارہ جوئی کا آغاز کیا۔ اس ضمن میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے نام ایک قانونی نوٹس بھیجا گیا۔ جس کا مثبت نتیجہ برآمد ہوا اور کارپردازانِ جامعہ نے اپنی لاپرواہی اور غفلت کا اعتراف اور معذرت کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالسلام کے مزعومہ اسلام کے حوالے سے جلد از جلد درستی کا تحریری وعدہ کیا۔ اس سلسلے میں یونیورسٹی کے معتمد (رجسٹرار) کے دفتر سے جاری ہونے والے خط میں کہا گیا کہ: "In view of above factual position, the name of dr. abdus salam is being ousted out from the list of muslim scientists immediately.... The University puts on record its regrets.(اوپر بیان کردہ حقائق کے تناظر میں ڈاکٹر عبدالسلام کا نام مسلمان سائنسدانوں کی فہرست سے فوراً محو کیا جا رہا ہے۔ یونیورسٹی اپنی شرمندگی کا اظہار کرتی ہے) ذیل میں اس قانونی نوٹس کا متن دیا جا رہا ہے جو جناب پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی وائس چانسلر علامہ اقبال یونیورسٹی کے نام بھیجا گیا۔ ادارہ]

قانونی نوٹس بنام

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی، وائس چانسلر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، واقع ایچ۔ ایٹ، اسلام آباد

یہ قانونی نوٹس مؤکلم حافظ عبیداللہ ولد عبدالغفور، ساکن حال اسلام آباد، کی ہدایت پر آپ کو بھیجا جا رہا ہے:

مؤکلم ایک معزز اور مسلمان پاکستانی ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ نصوص قرآنی اور فرامین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اقتدارِ اعلیٰ کا مالک رب العالمین اور معبودِ حقیقی و خالق ارض وسماء صرف اللہ رب العزت ہی کی ذات والا صفات ہے اور خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کے آخری معصوم اور کامیاب نبی و رسول ہیں۔ یہ کہ مؤکلم قرآن وسنت کی تعلیمات اور اس کے مطابق آئین وقوانین پاکستان کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اس پر عمل پیرا بھی ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات اور اس کے مطابق آئین وقوانین پاکستان سے روگردانی مؤکلم کے لیے ناقابلِ برداشت اور مؤکلم کے ذہنی وقلبی جذبات واحساسات کو مجروح کرتی ہے۔

یہ کہ جناب کے تعلیمی ادارے موسوم بہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی نصابی کتاب ''جنرل سائنس'' برائے میٹرک، کوڈ نمبر: 203، یونٹ: 1-12، شعبۂ بیالوجی، اشاعت بارہویں 2016ء، ناشر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، کے صفحہ نمبر 24 پر، زیر عنوان ''4.2۔ مسلمان سائنس دانوں کی خدمات''، نمبر (vi) کے تحت ''ڈاکٹر عبدالسلام'' کی سائنسی خدمات

کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ کہ مذکورہ سائنس دان اپنے عقیدہ ونظریہ کے لحاظ سے قادیانی/مرزائی/احمدی تھا، جو کہ قرآن وسنت اور آئین وقوانین پاکستان کی رو سے مسلمان نہیں بلکہ غیر مسلم ہیں۔ یہ کہ آئین وقوانین پاکستان کی رو سے قادیانی/مرزائی/احمدی اپنے آپ کو ''مسلمان'' نہیں کہلوا سکتے، نہ اپنی عبادت گاہ کو ''مسجد'' سے موسوم کر سکتے ہیں۔ چہ جائے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے شاعر مشرق اور ایک عظیم اسلامی راہ نما کے نام سے موسوم یونیورسٹی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد کی نصابی کتاب میں کسی قادیانی/مرزائی/احمدی کو ''مسلمان'' ظاہر کر کے مسلمان پاکستانی طلبہ کو گمراہ کیا جائے۔

یہ جان کر، کہ مذکورہ بالا کتاب کے محولہ صفحہ وعنوان کے تحت ''ڈاکٹر عبدالسلام'' نامی مرزائی/قادیانی/احمدی کو مسلمان ظاہر کیا گیا ہے، مؤکلم کے مذہبی عقائد اور جذبہ حب الوطنی کو سخت ٹھیس پہنچی ہے اور اس کے مذہبی جذبات بری طرح مجروح ہوئے ہیں۔ مذکورہ بالا حوالہ پڑھنے سے مؤکلم کے عقائد ونظریات اور آئین وقوانین پاکستان کی بڑی توہین وخلاف ورزی و پامالی ہوئی ہے اور اس وجہ سے مؤکلم تاحال سخت ذہنی وقلبی کوفت اور پریشانی کی کیفیت سے دوچار ہے۔ محولہ بالا عنوان کے تحت ''ڈاکٹر عبدالسلام'' نامی قادیانی/مرزائی/احمدی، غیر مسلم کو مسلمان ظاہر کرنا، مؤکلم کے مذہبی جذبات اور عقائد ونظریات کو برانگیختہ ومجروح کرنے کا سبب بنا ہے۔ مذکورہ محولہ بالا عنوان کے تحت ایک قادیانی/مرزائی/احمدی، غیر مسلم کو مسلمان ظاہر کر کے، اور اس کی اشاعت سے مؤکلم سمیت ملک کی تمام مسلم آبادی کی بھی مذہبی طور پر سخت دل آزاری ہوئی ہے نیز ان کے مذہبی جذبات وعقائد ونظریات اور ان کی وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان سے وفاداری ومحبت کے جذبات واحساسات بھی مجروح ہوئے ہیں۔

اس قانونی نوٹس کے ذریعہ ازطرف مؤکلم، آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ، نوٹس ہذا وصول پانے کے بعد فی الفور، بلاتاخیر مذکورہ بالا محولہ کتاب میں سے مسلمان سائنس دانوں کی فہرست میں سے، ڈاکٹر عبدالسلام نامی قادیانی/مرزائی/احمدی کا نام نکالا جائے۔ مزید برآں یہ کہ آپ، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے اور آں موصوف صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوّت کے منکرین یعنی قادیانیوں/مرزائیوں/احمدیوں کے غیر مسلم ہونے کے متعلق اپنے عقیدہ ونظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن وسنت اور آئین وقوانین پاکستان کے منافی مذکورہ اشاعت پر واضح وواشگاف طور پر معافی مانگیں اور یہ وضاحت ومعافی تحریری طور پر کسی معروف قومی اخبار میں شائع کروائی جائے۔ نوٹس ہذا موصول ہونے کے بعد 7 یوم کے اندر اندر:

ا۔ قومی اخبار میں شائع شدہ یہ وضاحت اور معافی، مؤکلم کو زیر دستخطی کے پتہ پر ارسال کی جائے۔

۲۔ ڈاکٹر عبدالسلام نامی قادیانی/مرزائی/احمدی کا نام، مذکورہ بالا محولہ کتاب میں سے، مسلمانوں کی فہرست سے باضابطہ طور پر نکال کر مؤکلم کو بذریعہ زیر دستخطی مطلع کیا جائے۔

بصورتِ دیگر مؤکلم کو مذہبی، آئینی اور قانونی طور پر آپ اور آپ کے ادارہ و پریس وغیرہ کے خلاف دیوانی و فوجداری ہر دو قسم کی آئینی وقانونی وعدالتی چارہ جوئی کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

محمد عرفان الحق ایڈووکیٹ ہائی کورٹ

☆......☆......☆

خادم رضوی کی گنداگوئی اور شاہ جی اور شورش کی میراث؟!

طیب علی تگہ

(گذشتہ روزوں اردو بلاگنگ کی معروف آزاد خیال ویب سائٹ ''ہم سب'' پر لطف الاسلام نامی ایک قادیانی لکھاری نے اسلام آباد فیض آباد دھرنے کے بعض شرکا کی غیر محتاط گفتگو کے تناظر میں ایک مضمون گھسیٹا جس میں اپنی چوٹوں کو یاد کرتے ہوئے احرارِ اسلام پر اپنے پرانے کینے کا اظہار بھی کیا گیا تھا۔ اس غیر ذمہ دارانہ اور مفتریانہ تحریر کے جواب میں کچھ مسلمان اہلِ قلم نے جواب دیا تو موصوف جواب الجواب پر اتر آئے، زیرِ نظر تحریر ان تین اقساط پر مشتمل ہے جنھیں جناب طیب علی تگہ نے تحریر کیا اور لطف الاسلام کی ہذیانی کیفیت میں الاپے گئے راگوں راگنیوں کا تعاقب کیا۔ مضمون کا پہلا حصہ لطف القادیان کی پہلی بے سری استھائی کی تردید میں ہے اور دوسرا حصہ دوسرے آئٹم کے جواب میں ہیں۔ ان تینوں اقساط کو ہم سب کی ویب سائٹ سے ہی لیا گیا ہے۔ ادارہ)

سوشل میڈیا کے ایک معروف انٹلیکچول تھڑے ''ہم سب'' پر لطف الاسلام صاحب کا بازاری جگتوں اور پھبتیوں سے لیس کالم نظر سے گزرا۔ رائٹر موصوف نے بات آغاز تو خادم رضوی سے کی لیکن بہ یک زقند ہاتھ مرحوم بزرگوں کی دستار پر ڈال دیا۔ جی ہاں صاحب نے کچھ اس طرح سید عطاء اللہ شاہ بخاری و شورش کاشمیری پر سبّ وشتم، الزام و دشنام کے تیر برسائے ہیں اور بے سروپا پروپیگنڈا کیا ہے کہ ڈاکٹر گوئبلز کی روح انھیں ہاتھ باندھ کر پرنام کر رہی ہوگی! اگر موصوف شاہ جی اور شورش کاشمیری کی سیاست و خطابت اور دینی وقومی جدوجہد سے اتنے ہی بے خبر ہیں تو انھیں ایسے اذعانی لہجے میں ان بوریا نشین فقیروں پر اتہام باندھنے سے گریز کرنا چاہیے تھا۔ بہ ایں صورت انھیں نرم سے نرم الفاظ میں تاریخ سے بے خبر اور علمی بددیانتی کا مرتکب ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ اگر تاریخ و سیاسیات سے موصوف اتنے ہی نابلد ہیں تو انھیں کوچہ صحافت میں آوارہ خرامی کرنے کی بجائے کوئی اور ڈھنگ کا کام کرنا چاہیے۔ یوں برسرعام تاریخی حقائق کا منہ چڑانا، اپنے من مرضی کے مطالب اخذ کرنا اور پھر خطابت وحریت کے لیجنڈز کا بوزنوں سے موازنہ قلم سے ازار بند ڈالنے والے صحافیوں کا شیوہ ہوا کرتا ہے!

موصوف تحریکاتِ ختمِ نبوت کی بابت رقم طراز ہیں:

''ختم نبوت کی تحریکیں ایک عرصہ سے ملک میں جاری ہیں اور اس سے وابستہ مولویوں کی کئی نسلیں اپنی روزی روٹی اسی فنِ تقریر پر چلاتی رہی ہیں۔''

ملاحظہ کیجیے کہ ایک سانس میں صاحب کیا کچھ کہہ گئے۔ ختمِ نبوت کی تحریکیں اپنے اپنے وقت کے جید علمائے کرام کی نگرانی وسرپرستی میں چلتی رہی ہیں جن کے تقوی وتدیّن، درویشی وسادگی کی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں، ان رجالِ علم پر یہ اتہام کہ انھوں نے تحریکاتِ ختم نبوت سے اپنی نسلوں کے لیے روزی روٹی کا سامان بہم پہنچایا ہے، انتہا درجے کی جہالت اور حقائق سے ناواقفیت ہے!

یادش بخیر! ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے ''اقبال کے آخری دوسال'' میں جب مفکرِ احرار چودھری افضل حق اور

سیدعطاء اللہ شاہ بخاری پرمیاں امیرالدین کی سراپا کذب وافتراء تحریرات کا سہارا لے کر اسی طرح کے الزامات لگائے تھے تو شورش کاشمیری نے اس کا جواب اپنے مخصوص انداز میں کچھ اس طرح دیا تھا:

''چودھری افضل حق اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بارے میں یہ سوچنا بھی گناہِ عظیم ہے کہ وہ ''جلبِ منفعت'' یا ''حصولِ زر'' کے آدمی تھے، یہ بکنے والے ہوتے تو خریدنے والے خود بِک بِک کر انھیں خریدتے! ایڈیٹر چٹان ان بزرگوں کے ساتھ برسوں رہا، انھیں قریب سے دیکھا۔ ربِ ذوالجلال گواہ ہیں کہ جن بزرگوں کے کفن کو ڈاکٹر صاحب نے میلا کرنا چاہا، وہ ''صحابہ کی مثال'' تھے۔ ان کی غیرتیں جوان اور حمیتیں بے داغ تھیں۔ ایک شخص جو مورخ بننے کے سفر کو نکلا ہو اس کو ان باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے جو صداقت کے چہرہ پر برص کا داغ ہیں اور جن کی روایت کا شعلہ بجھا دیا گیا ہے۔ شورش کاشمیری مدتوں چودھری افضل حق اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے خوانِ رفاقت کا خوشہ چیں رہا ہے، ان سے غیرت و حمیت کے معنیٰ سیکھے، انھیں دیکھا اور بے اختیار ان کے سانچے میں ڈھلنا چاہا۔ وہ کون کباڑیے تھے جن کے مالِ غنیمت پر ان کی نگاہ تھی؟ یہ لوگ فقر و استغناء کا پیکر تھے، انھوں نے عمر بھی دولت سے نفرت کی۔ وہ لوگ جو ان کے اخلاص و استقامت پر حملہ زن ہوتے ہیں انھیں غالباً معلوم ہی نہیں کہ ان لوگوں نے ہمیشہ انھیں اس طرح سمجھا گویا بہ قولِ علامہ اقبال: ''یہ لوگ پیدا ہی نہیں ہوئے!''

ایک منصف مزاج شخص جب کسی گروہ یا طبقے پر قلم اٹھاتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس گروہ اور طبقے کے صرف ان لوگوں کو ہی مثال کے طور پر پیش نہ کرے جو عامی ہیں یا جن کا ظاہری حلیہ انھیں اس طبقے میں شمولیت کی سندِ جواز مہیا کرتا ہے۔ مذہبی حلقوں میں بھی یقیناً اس طرح کے عامی موجود ہیں جو نہ تو دینی علوم میں رسوخ رکھتے ہیں اور نہ ہی مجتہدانہ نگہ و بصیرت! لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے ہاں کس شعبہ میں ایسے افراد نہیں پائے جاتے؟ کیا ہمارے ہاں کے لبرلز اور سیکولرز اس سے مبرا ہیں؟ کیا ان میں موجود ہر لبرل نے جان لاک، مانٹیسکو، روسو، جے ایس مِل اور پھر جان رالز کو بالاستیعاب پڑھ رکھا ہے؟ کیا سائنس پر ایمان بالغیب رکھنے والے ہمارے جدیدیت پسندوں نے فلاسفی آف سائنس کے مباحث ازبر کر رکھے ہیں جو فائن مین، اے ایف چامر، لیکاٹوش اور مارٹن ہائیڈیگر نے چھیڑے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ہدفِ تنقید صرف مُلا کیوں؟

واقعہ یہ ہے کہ اس طرح بغیر امتیاز علماء کے خلاف جو باتیں عام طور پر کہی جاتی ہیں ان کی غرض و غایت اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے جو ظاہری طور پر بیان کی جاتی ہیں!

آخر کالی بھیڑیں کس گروہ میں نہیں؟ لیکن زبانِ طعن دراز کرنے کے لیے علماء کو ہی مشقِ ستم بنایا جاتا ہے!

بقول شورش کاشمیری:

''بعض شب کور نقادوں نے اپنی نفسی کوتاہیوں کا جواز پیدا کرنے کے لیے نہ صرف مُلا کو ہدفِ تنقید بنایا بلکہ اس کی آڑ میں ان صلحائے امت کو بھی رگیدا جن کا تنہا قصور یہ تھا کہ وہ انگریزی حکومت اور اس کی بیوروکریسی کے خلاف لڑتے رہے۔ جن علماء نے تکفیر المسلمین میں ظالمانہ حصہ لیا ان کے خلاف سیاست دانوں میں کبھی مزاحمت یا مدافعت کی کوئی آواز نہیں اٹھی مگر جن علماء نے قربانی وایثار کی زندگی بسر کی یا یورپی دانشوروں کی اس کھیپ کو اس کے اعمال و افعال پر ٹوکا، ان

کے خلاف سب وشتم کے بازار میں ہمیشہ ہی رونق رہی ہے''

ملک بھر کی جامعات دیکھ لیجیے، ہر جگہ دو چار ماہرینِ فن کو چھوڑ کر باقی جو ڈھیر آپ کو ملے گا وہ علم کے نام پر بدترین جہل کی مثال ہے اور جہل بھی جہلِ مرکب و مختلط! خود ہمارے ہاں کے سیکولرز و لبرلز کو ہی دیکھ لیجیے، مجال ہے ان کے ''جمِ غفیر'' میں سے سوائے ایک آدھ کے کسی نے لبرلزم پر مغرب میں لکھی جانے والی دو سطریں بھی پڑھ رکھی ہوں، یہ صاحبان کسی تحقیق کے نتیجے میں لبرل ازم کے حلقہ بگوش نہیں ہوئے بلکہ اس معاملے میں یہ ''مقلدِ محض'' واقع ہوئے ہیں کہ دیکھا دیکھی مغرب کے اس دین پر ایمان بالغیب لے آئے ہیں۔ ان مقلدِ محض گھامڑوں کے نزدیک لبرل ازم محض ملا پر زبانِ طعن دراز کرنے اور دین و مذہب اور شعائرِ دین کا ٹھٹھا اڑانے کا نام ہے۔ ہمیں محترم کالم نگار کے علمی حدود اربعہ بارے معلوم تو نہیں تاہم جو لولوئے لالہ انھوں نے اپنی اس تحریر میں بکھیرے ہیں ان سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ علم و تحقیق سے ان کا تعلق اتنا ہی ہے جتنا گاندھی جی کا دو قومی نظریہ سے!

آگے چل کر موصوف کا قلم پھر گلکاریاں کرتا ہے، سو فرماتے ہیں:

''شاہ جی کو گالی گلوچ کا ملکہ حاصل تھا اور پاکستان کی تحریک کی مخالفت میں شاہ جی نے کئی بار زبان درازی کی۔''

موصوف کی ''گلفشانی گفتار'' ملاحظہ کی آپ نے! بغیر کسی ثبوت اور تحقیق کے اردو زبان کے سب سے بڑے خطیب کی بابت کس لہجے میں بہتان تراشا ہے! یہ الزام اس شخص پر لگایا جا رہا ہے، جو اپنے عہد کا فصیح البیان بھی تھا اور زبان جس کے گھر کی لونڈی تھی۔ احباب کو شاد عظیم آبادی تو یاد ہی ہوں گے، شاد عظیم آبادی پٹنہ میں حضرت شاہ جی کی نانی محترمہ سے اشعار اور زبان کی اصلاح لیا کرتے تھے! اردو زبان کا کون سا ایسا بڑا ادیب، شاعر، نقاد ہو گا جس کے شاہ جی سے نیازمندانہ مراسم نہ رہے ہوں اور اس نے شاہ جی کے حضور اپنی عقیدت کے چراغ نہ روشن کیے ہوں۔ نام گنوانے پر آؤں تو ایک طویل فہرست صرف برعظیم پاک و ہند کے ادباء و شعراء کی ہے جنھوں نے شاہ جی کی ہمہ جہت شخصیت کو اپنے اپنے انداز سے عقیدت کا خراج پیش کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ شاہ جی کا احترام یکساں طور پر ہر طبقے کے لوگوں میں پایا جاتا تھا، آپس کی نظریاتی بحثیں چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہوں، لیکن شاہ جی کے احترام میں ایک دوسرے کے نظریاتی مخالف بھی ایک صف میں نظر آتے ہیں، اقبال، فیض، حفیظ، ساحر، مہر و سالک، پطرس بخاری، ایم ڈی تاثیر، سبطِ حسن، عدم، سیف الدین سیف، عبداللہ ملک۔ غرض کتنے ہی نام ہیں جنھیں پیش کیا جا سکتا ہے۔

رہی تحریکِ پاکستان کی مخالفت تو عرض یہ ہے کہ تحریکِ پاکستان ایک سیاسی تحریک تھی، جس کی مخالفت ہرگز کفر و شرک نہیں اور نہ ہی کوئی انسان محض اس لیے قابلِ گردن زدنی ہو جاتا ہے کہ اس کا سیاسی موقف مسلم لیگ کے موقف سے الگ اور جدا تھا۔ شاہ جی ایک صاحبِ بصیرت سیاسی رہنما تھے جنھوں نے علیٰ وجہِ البصیرت مسلم لیگ سے اختلاف کیا اور سیاسی اختلافِ رائے کی بنیاد پر ستر سال گزر جانے کے بعد ایک جماعت یا شخص کو مطعون کرنا بذاتِ خود ایک انتہا پسندانہ رویہ ہے جس کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہیے کیونکہ حب الوطنی کی ٹھیکیداری کے جملہ حقوق صاحبِ مضمون یا ان ایسے دیگر ''محققین'' کے نام بہرحال نہیں ہیں!

آگے چل کر صاحبِ مضمون نے تحریکِ ختمِ نبوت 1953 میں شاہ جی اور احرار رہنماؤں پر منیر انکوائری کمیشن رپورٹ کی روشنی میں جو تبرا کیا ہے۔ اس کی حقیقت بھی ملاحظہ کر لیجیے۔ واقعہ یہ ہے کہ منیر انکوائری کمیشن رپورٹ کی بنیاد پر شاہ جی اور دیگر احرار رہنماؤں کی سیرت اخذ کرنا اور پھر اس پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھنا ایسے ہی ہے جیسے ہمارے ممدوح ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب کی طرف سے پرانوں اور رگ وید سے توحید ''برآمد'' کرنا! طوالت کا خوف حائل نہ ہوتا تو ہم منیر انکوائری کمیشن رپورٹ پر ایک مفصل تجزیہ اپنے قارئین اور صاحبِ مضمون کی خدمت میں پیش کرتے۔ سرِ دست اتنا کہنے پر ہی اکتفا کریں گے کہ اس رپورٹ کا غالب حصہ جانبدارانہ آلائشوں کا حامل ہے اور کسی لحاظ سے بھی اسے کسی جج کا تجزیہ نہیں کہا جا سکتا لیکن ستم ظریفی تو یہی ہے کہ اس کے مرتبین جج تھے!

ڈاکٹر جاوید اقبال (پسرِ اقبال) نے ایک جگہ لکھا ہے کہ یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو اسلام کے خلاف خود مسلمان ججوں کے قلم سے نکلی ہے۔ اس کی اشاعت روک لی جائے بلکہ اس کتاب کو ضبط ہونا چاہیے۔ شورش کاشمیری روایت کرتے ہیں کہ ایک بار جسٹس ایم آر کیانی نے عندالملاقات انھیں کہا تھا کہ وہ اس کتاب کی اشاعت سے پریشان و پشیمان ہیں اور جو حصہ اس میں اسلام کے خلاف ہے وہ جسٹس منیر کے قلم سے ہے۔

شورش کاشمیری اس رپورٹ کی بابت لکھتے ہیں:

''تمام رپورٹ میں ضروری شہادت کا مدار زیادہ تر سی آئی ڈی کی رپورٹوں پر ہے اور ان کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا سی آئی ڈی سے زیادہ ناکارہ عنصر ملک بھر میں شاید ہی ہو۔ ان رپورٹوں کا لب ولہجہ غایت درجہ معاندانہ بلکہ بڑی حد تک احمقانہ تھا۔ سی آئی ڈی نے احرار کو شروع ہی سے ہدفِ مطاعن بنائے رکھا۔ اس نے اصل نزاع کو سمجھنے کی بجائے صرف احرار کو ملزم گردانتے کی کوشش کی۔ اس کا طریق فکر ایک ایسے ناول نگار کا ہے جو ایک خاص ذہنی فضا تخلیق کر کے اچھے برے کردار پیدا کرتا ہے اور اپنے زورِ بیان کی نمائش کرتا ہے۔ احرار کے باب میں سی آئی ڈی کا قلم جراح کا نشتر نہیں، حلال وحرام سے بے نیاز قصاب کا چھرا ہے۔ اس نے فوٹو گرافی کے بجائے مصوری کے فرائض اپنے اوپر تھوپ لیے تھے اور جس طرح چاہا ویسی تصویر بنا کر بزعمِ خویش اپنے قلم کی داد حاصل کی۔ نظر بہ ظاہر اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ قادیانی، حکومت کے مختلف صیغوں میں بڑے بڑے عہدوں پر فائض تھے اور افسرانِ مجاز ان کے شعوری یا غیر شعوری احترام یا خوف میں محصور تھے۔ دوسری طرف احرار سیاست میں ایک شکست کھائی ہوئی جماعت تھے۔ اس لیے جو بھی ثقہ و غیر ثقہ روایت مل گئی اس کو اس مفروضہ پر جوڑ بٹور لیا کہ تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں احرار سے لیگ کی ناراضی کا اجتماعی ذہن اس کی توثیق وتسلیم کے لیے کافی ہوگا۔''

صاحبِ مضمون نے جس نکتے پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ انکوائری رپورٹ کے حوالے سے شاہ جی کے مبینہ جھوٹ اور اشتعال انگیزی پر مبنی جملے ہیں جن میں ملکہ وکٹوریہ اور ملکہ الزبتھ کا غیر محتاط الفاظ میں تذکرہ شامل ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ لطف صاحب نے عین وہ نکتہ اعتراض کے طور پر اٹھایا ہے جو اس رپورٹ میں ڈپٹی انسپکٹر جنرل سی آئی ڈی اٹھاتے ہیں اور بار ہا اس پر اظہارِ خفگی بھی فرماتے ہیں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری ملکہ وکٹوریا اور ملکہ الزبتھ کا ذکر قابلِ اعتراض طریق سے کرتے ہیں۔ لیکن سی آئی ڈی کے اس ڈپٹی انسپکٹر جنرل کی یادداشتوں میں اس سیاق وسباق کا ذکر سرے

سے مفقود ہے جس کے تحت ملکہ کا ذکر کیا جاتا رہا، ہاں ''صاحب بہادر'' کو بہرحال اصرار تھا ملکہ معظّمہ کی توہین کی جاتی ہے۔

شورش کاشمیری رقم طراز ہیں:

''خلاصہ یہ کہ سی آئی ڈی کے افسران کو مرزا غلام احمد و سر ظفر اللہ خان وغیرہ کے بارے میں احرار رہنماؤں کے لب ولہجہ پر اعتراض تھا لیکن اپنی یادداشتوں میں جو گندے الفاظ احرار بالخصوص سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے متعلق استعمال کیے اور ان میں ٹکسالی زبان کے جو نوادر ڈھالے، ان کے بارے میں غالباً کبھی غور نہیں کیا تھا۔''

قصہ کوتاہ منیر انکوائری کمیشن رپورٹ مجموعہ اغلاط و تضادات ہے جس سے استدلال کی کوئی علمی حیثیت نہیں!

(۲)

شاہ جی اور شورش کی میراث...... چند حقائق

چند روز قبل ''ہم سب'' پر ایک صاحب نے اپنی ایک تحریر پر ہمارے ملاحظات کا جواب کچھ اس طرح دیا کہ ہمیں بے اختیار یہ شعر یاد آیا:

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بندِ قبا دیکھ

''شاہ جی اور شورش کی میراث'' کے عنوان سے اپنے اس مضمون میں انھوں نے نہایت چابک دستی سے خود کو ''غیر جانبدار'' کی حیثیت سے پیش کیا اور بزعمِ خویش یہ نتیجہ نکالا

شاہ جی، شورش اور دیگر احرار رہنما مغلظات بکنے کے عادی تھے، بدزبان اور فحش گو تھے۔ مذہب کے نام پر پنجاب کے عوام کو بہکایا کرتے تھے۔ انگریز سرکار کے ڈر سے قتل کے فتوے جاری کرنے سے گریزاں رہتے، لیکن قاتلین کو غازی اور شہید کے تاج بھی پہنایا کرتے۔ چندہ خور تھے اور مالی خرد برد میں ملوث تھے۔

ذیل میں ہم صاحبِ مضمون کے ان تمام دعاوی کی قلعی کھولنے کی کوشش کریں گے جو انھوں نے ''شاہ جی اور شورش کی میراث'' میں کیے ہیں اور تاریخی شواہد سے یہ ثابت کریں گے کہ

☆　مغلظات بکنے، فحش گوئی اور بدزبانی میں کون اُتارو تھا اور من حیث الجماعت یہ کس ٹولے کا طرہ امتیاز رہا؟

☆　مذہب کے نام پر پنجاب کے عوام کو کس نے بہکایا اور الو بنایا؟

☆　کون سا ٹولہ تھا جو انگریز سرکار کے عہد سے ہی اپنے مخالفین کو قتل کروا رہا تھا؟

☆　چندہ خور کون تھا، مالی معاملات میں خرد برد میں کون ملوث رہا، آف شور کمپنیاں کس کی نکلیں، شاہ جی و شورش اور ان کے خانوادے کی یا جماعتِ احمدیہ کے بزرجمہروں کی؟

موصوف نے اپنے سابقہ اور موجودہ مضمون میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دیگر احرار رہنماؤں کی بابت جس نکتہ کو بطور اعتراض اٹھایا ہے وہ شاہ جی کی مبینہ ''بدزبانی، گالم گلوچ اور فحش گوئی'' ہے لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں وہ ایک بھی ثبوت پیش نہیں کر سکے اور نہ ہی ان دونوں مضامین میں انھوں نے شاہ جی کی کسی ایک گالی کا

حوالہ دیا ہے۔ اپنے حالیہ مضمون میں تو انھوں نے یہ کہہ کر اپنے رخ سے نقاب بھی اتار دیا ہے

''راقم کا تعلق جس طبقہ سے ہے اس کا اوڑھنا بچھونا ہی تحمل اور کشادہ دلی اور کشادہ خیالی ہے۔ جو دوست اس مغالطے کا شکار ہوں کہ ان اصحاب پر تنقید بے جا کی گئی ہے وہ تصحیح فرمالیں۔ اور یہ بھی دیکھ لیں کہ جماعت احمدیہ کا رویہ احرار کے لیڈروں سے نہ صرف مہذبانہ رہا ہے، بلکہ بوقت ضرورت ان سے احسان کا سلوک بھی رکھا گیا۔''

چلیں ہم یہاں یہ مان لیتے ہیں کہ شاہ جی اور دیگر احرار رہنما برطانوی سامراج اور اس کے سیاسی و مذہبی لے پالکوں کے لیے زبان کے استعمال میں قدرے غیر محتاط واقع ہوئے تھے لیکن شاہ جی تو ٹھہرے چودھویں صدی کے ایک مسلمان، جن کا واحد آسرا خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت تھی اور بس! ہم نہ تو شاہ جی کو معصوم عن الخطاء سمجھتے ہیں اور نہ ہی ان کی عصمت و معصومیت کے قائل ہیں اور نہ ہی شاہ جی نے کبھی ایسا دعویٰ کیا۔

لیکن صاحبِ مضمون جن صاحب کو مہدیٔ معہود اور مسیحِ موعود مانتے ہیں، جنھیں صاحبِ مضمون سمیت تمام احمدی ''سلطان القلم'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں، انھوں نے اپنے مخالفین نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ دین کی بنیادی ستون ہستیوں کے لئے جو زبان استعمال کی ہے، کیا وہ آئینِ شرافت کے عین مطابق ہے؟ کیا نبی کی زبان ایسی ہوا کرتی ہے؟ جو ''لولوئے لالہ'' مرزا صاحب نے اپنی تحریروں میں بکھیرے ہیں، واقعہ یہ ہے پڑھ کر ایک شریف النفس انسان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ ان کی بعض تحریریں تو اس قدر فحش اور بازاری ہیں کہ مجمع عام تو درکنار اکیلے پڑھنے میں بھی ندامت محسوس ہوتی ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ مرزا صاحب کے ناوکِ دُشنام سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہا! مرزا صاحب کی محبوب گالیاں تو بہت سی تھیں لیکن اپنے مخالفین و منکرین کے لیے ''زانیہ عورتوں کی اولاد'' ان کی سب سے زیادہ محبوب گالی تھی۔ دوسری گالی جس سے مرزا صاحب کا نطق تسکین پاتا، وہ ''حرام زادہ'' کا لفظ تھا۔ آپ کو شاہ جی، شورش اور دیگر احرار رہنماؤں کی مبینہ دشنام طرازی پر اعتراض ہے، چلیے وہ سب تو ٹھہرے اس دور کے مسلمان، لسانِ نبوت تو ایک عام گناہ گار مسلمان کی زبان سے بہرحال اعلیٰ وارفع ہونی چاہیے نا!

جماعتِ احمدیہ کے مدار المہام اور استعماری ٹکسال میں ڈھلے ہوئے مرزا غلام احمد صاحب کی ''کوثر و تسنیم میں دُھلی ہوئی زبان'' ملاحظہ کیجئے اور سر دھنیے!

''یہ میری کتابیں ہیں جن کو ہر مسلمان دوستی اور محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور مجھے قبول کرتا ہے اور میری تصدیق کرتا ہے اور ان کتابوں میں، میں نے جو معرفت کی باتیں لکھی ہیں، ان سے نفع اٹھاتا ہے، مگر رنڈیوں (بدکار عورتوں) کی اولاد کہ وہ قبول نہیں کرتے۔'' (آئینہ کمالاتِ اسلام/ دافع الوساوس، روحانی خزائن جلد 5، ص 547)

بتایئے صاحب! یہ نبوی اخلاق ہیں؟ یہ معاذ اللہ نبوت کی زبان ہے؟ قارئین انصاف کیجیے کہ ہم مسلمانوں نے مرزا صاحب کا کیا قصور کیا تھا کہ اس شخص نے ہمیں ''ذریۃ البغایا'' کی گالی دی؟

لطف کی بات یہ ہے کہ خود مرزا صاحب ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''ناحق گالیاں دینا سفلوں اور کمینوں کا کام ہے۔'' (ست بچن، روحانی خزائن، جلد10 ص346، مطبوعہ لندن)

اپنے اس ''ارشاد'' کی روشنی میں مرزا صاحب اور ان کے پیروکار مرزا صاحب کے لیے کیا القابات پسند فرمائیں گے؟

مزید ملاحظہ کیجیے:

''دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہوگئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں۔''

(نجم الہدیٰ، روحانی خزائن، جلد 14، ص53، مطبوعہ لندن)

کیا شاہ جی، شورش یا کسی احرار رہنما نے کبھی مرزا صاحب یا ان کے متبعین کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے؟ قادیانی عورت کو ''کتیا'' یا قادیانیوں کو ''جنگلوں کے سور'' کہا؟ مرزا صاحب کے ماننے والوں کو کبھی کسی احراری نے کنجریوں کی اولاد کہا؟ نہیں اور ہرگز نہیں

مرزا صاحب کی ''پاک صاف'' زبان کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجیے:

''اور (جو) ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھا جاوے گا کہ اس کو ولد الحرام بننے کا شوق ہے اور حلال زادہ نہیں۔۔۔۔۔ورنہ حرام زادہ کی یہی نشانی ہے سیدھی راہ اختیار نہ کرے۔''

(انوار الا اسلام، روحانی خزائن، جلد9، ص31، 32، مطبوعہ لندن)

مرزا صاحب کی ''خوش اخلاقی وحسنِ گفتار'' ملاحظہ کیجیے کہ انھوں نے جب اپنے ایک مخالف کے لیے لعنت کا لفظ استعمال کیا تو بجائے یہ کہنے کہ تجھ پر ہزار بار لعنت ہو، باقاعدہ لعنت کی بوچھاڑ کر دی اور تقریباً چار صفحات لعنت لعنت لعنت لکھتے چلے گئے اور گن کر ایک ہزار بار لعنت کا لفظ استعمال کیا! ستم ظریفی یہ ہے کہ صاحبِ مضمون اور ان ایسے مرزا صاحب کے گھامڑ مریدین پھر بھی ایسے شخص کو ''سلطان القلم'' سمجھتے ہیں!

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

لعنت بازی کا حوالہ ملاحظہ فرمائیں: نور الحق، روحانی خزائن، جلد8، ص158-162، مطبوعہ لندن۔

معاف کیجیے! شاہ جی اور ان کے رفقاء نے کبھی مرزا صاحب یا ان کے ٹولے کے لیے اس طرح لعنت لعنت لعنت کی گردان نہیں کی۔ حالانکہ مرزا صاحب کے لیے سخت سے سخت زبان بھی استعمال کی جاتی تو شاید پھر بھی کمی رہتی۔ اب ایسے شخص جو نبی ہونے کا مدعی ہے، کے بارے میں کیا زبان استعمال کی جائے؟ انسانیت کے کس مقام پر اس کو درجہ دیا جائے اور کیا درجہ دیا جائے؟ کیا یہ کسی شریف آدمی کی زبان ہے؟ کیا ایسے آدمی کو شریف کہا جاسکتا ہے؟

یہ تو تھا برطانوی استعمار کے بغل بچے، پنجابی نبی کا لہجہ ودشنام طرازی، اب ایک جھلک شاہ جی کے ایک خطیبانہ شہ پارے کی طرف بھی، جعلی نبی اور حلقہ بگوشِ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کا فرق صاف دیکھا جاسکتا ہے:

''تصویر کا ایک رخ تو یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی میں یہ کمزوریاں اور عیوب تھے۔ اس کے نقوش میں توازن نہ تھا، قد وقامت میں تناسب نہ تھا، اخلاق کا جنازہ تھا، کریکٹر کی موت تھی، سچ کبھی نہ بولتا تھا، معاملات کا درست نہ تھا، بات کا پکا نہ تھا، بزدل اور ٹوڈی تھا، تقریری وتحریر ایسی ہے کہ پڑھ کر متلی ہونے لگتی ہے۔۔۔لیکن میں آپ سے عرض کرتا

ہوں کہ اگر اس میں کوئی کمزوری بھی نہ ہوتی، وہ مجسمہ حسن و جمال ہوتا، قویٰ میں تناسب ہوتا، چھاتی 45 انچ کی، کمر ایسی کہ سی آئی ڈی کو بھی پتا نہ چلتا، بہادر بھی ہوتا، مردِ میدان ہوتا، کریکٹر کا آفتاب اور خاندان کا ماہتاب ہوتا، شاعر ہوتا، فردوسیٔ وقت ہوتا، ابوالفضل اس کا پانی بھرتا، خیام اس کی چاکری کرتا، غالب اس کا وظیفہ خوار ہوتا، انگریزی کا شیکسپیئر اور اردو کا ابوالکلام ہوتا، پھر نبوت کا دعویٰ کرتا تو کیا ہم اسے نبی مان لیتے؟۔۔۔۔۔۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر علیؓ دعویٰ کرتے کہ جسے تلوار حق نے دی اور بیٹی نبی نے دی، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنیؓ بھی دعویٰ کرتے تو کیا بخاری انھیں نبی مان لیتا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔۔۔۔۔۔ میاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کائنات میں کوئی ایسا انسان نہیں جو تختِ نبوت پر سج سکے اور تاجِ امامت ورسالت جس کے سر پر ناز کرے۔''

(خطاب: امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، ستمبر 1951، کراچی)

لیجیے صاحب! مرزا صاحب کی تحریریں اور شاہ جی کی تقریر کا اقتباس پڑھنے کا بعد خود فیصلہ کر لیجیے کہ مغلظات کون بکتا ہے، گالم گلوچ کس کی فطرت اور خمیر کا حصہ ہے! ہم اس پر مزید تبصرہ نہیں کرتے، قارئین خود محسوس فرمائیں گے کہ مرزا صاحب کی تحریروں کے اقتباسات سے طبیعت میں جو یبوست وانقباض پیدا ہوا اور جس طرح طبیعت منغض ہوئی، شاہ جی کی رواں دواں، گنگا جمنی زبان سے وہ کیفیت جاتی رہی ہے!

یہاں یہ بات کافی اہم ہے کہ مرزا صاحب کی ہرزہ سرائی اور دریدہ دہنی یوں ہی بلا مقصد نہیں تھی، بلکہ یہ خوب سوچ سمجھ کر کی گئی تھی۔ اس باب میں مرزا صاحب اپنے آقا انگریز بہادر کے پے رول پر تھے۔ اس لیے استعماری حکومت مرزا صاحب کی اس زبان کا حوصلہ بڑھاتی۔

شورش کاشمیری لکھتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق انتہائی نازیبا زبان استعمال کر کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عیسائی مشنریوں کی زبان کھلوائی اور مسلمانوں کی ذہنی زندگی کو ایک ایسے الجھاؤ میں پھنسا دیا جس کا بدیہی نتیجہ ان حالات میں انگریزی حکومت کی مصلحتوں کے لیے نفع آور تھا۔''

اسی طرح راج پال اور بعض دوسرے شاتمان رسول کے فتنے کا سرِ آغاز بھی درحقیقت مرزا صاحب کے ہندو دھرم پر رکیک حملے تھے۔ ہندوؤں میں آریہ سماج ایک ترقی پسند فرقہ اپنی ابتداء میں تھا، سوامی دیانند اس کے بانی تھے، مرزا صاحب نے اس فرقہ کو ہدف بنا کر ہندو دھرم پر گھٹیا حملے کیے۔

شورش لکھتے ہیں:

''نتیجتاً آریہ سماج نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن واسلام کے خلاف دریدہ دہنی کا آغاز کیا اور عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجیوں کو یہ پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مل گیا کہ اسلام میں پیغمبروں کی زبان یہی رہی ہے اور جو شخص خود کو محمدِ عربی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ''ظل وبروز'' کہتا ہے، اس کی زبان اتنی غلیظ ہے، تو جس کا ''بروز وظل'' ہے، اس کی زبان (خاکم بدہن) کیا ہوگی؟ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بدگوئی کی مہم کا سبب مرزا صاحب

کے یہی مباہلے، مجادلے اور مناظرے تھے! نتیجتاً آریہ سماجیوں سے مناظروں میں بدگوئی کی سزا مرزا صاحب کے بجائے اسلام کو بھگتنی پڑی۔ چنانچہ ''ستیارتھ پرکاش'' کا پہلا ایڈیشن جو 1875 میں راجہ جے کشن داس سی ایس آئی کے زیرِ اہتمام بنارس میں چھپا تھا اور جس کے حقوق سوامی دیانند نے ان کے ہاتھ فروخت کر دیئے تھے، ابتدا میں بارہ ابواب پر مشتمل تھا۔ اس میں تیرہویں اور چودھویں باب کا اضافہ مرزا صاحب کی ان تحریروں کے بعد ہوا جن میں آریہ سماجیوں کے ''نیوگ'' ایسے معاشرتی مسئلے کو چھیڑ کر ان کا مذاق اڑایا گیا اور ان کے بعض عقائد کو مضحکہ خیز قرار دیا گیا تھا، سوامی دیانند 30 اکتوبر 1883 کو انتقال کر گئے تو مرزا صاحب نے ان کی موت بھی اپنی پیشین گوئیوں سے وابستہ کر لی، چنانچہ ان کی رحلت کے بعد ''ستیارتھ پرکاش'' کا جو دوسرا ایڈیشن چھپا، اس میں تیرھویں اور چودھویں باب کا اضافہ تھا جن میں خدا اور رسول پر رکیک حملے کیے گئے تھے''۔

ہمارے کچھ دوست مہاشے راجپال کے قتل کرنے کے غازی علم الدین شہید کے اقدام اور اس ضمن میں شاہ جی کی تقریر کا حوالہ تو خوب زور وشور سے دیتے ہیں بلکہ گزشتہ دنوں ''ہم سب'' پر ہی حاشر ابن ارشاد صاحب نے تین اقساط میں ایک مضمون بھی گھسیٹ ڈالا، لیکن انھوں نے بھی محض شاخوں اور پتوں کا تجزیہ کرنے پر ہی اکتفا کیا اور برعظیم پاک و ہند میں اس دریدہ دہنی، ہرزہ سرائی کی بنیاد ڈالنے والے مرزا غلام احمد قادیانی کو وہ بھی فراموش کر گئے کہ اسلام کو گالیاں بکنے کی جو روایت برعظیم میں عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجیوں کے یہاں نظر آتی ہے، اس کی طرح ڈالنے والا کوئی اور نہیں بلکہ برٹش امپیریلزم کا ''خود کاشتہ پودا'' مرزا غلام احمد قادیانی ہی ہے!

صاحبِ مضمون نے شاہ جی کے بارے میں عبدالمجید سالک کی ایک روایت ذکر کی ہے، جو سالک کی ''سرگزشت'' میں موجود ہے۔ بات کچھ نہیں بس بے تکلف دوست احباب کی محفل میں ایک دوسرے پر کی جانے والی دوستانہ چوٹیں ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ایامِ اسیری کے دوران شاہ جی نے بطور لطیفہ ایک قصہ سنایا، جس میں ایک تحصیل دار صاحب کو چڑائے جانے کا ذکر تھا، تین چار دن کے بعد دوستوں نے طے کیا کہ شاہ جی کو چڑایا جائے اور انھوں نے اتنا چڑایا کہ زچ کر دیا تو شاہ جی نے پہلے تو انھیں ڈانٹا جب پھر بھی احباب باز نہ آئے تو شاہ جی نے غصے میں کچھ سخت سست بھی کہہ ڈالا۔ بات بس اتنی سی تھی، جس کو زیبِ داستاں کے لیے کہاں سے کہاں پہنچا دیا گیا۔ بارِ دگر عرض ہے کہ شاہ جی اس دور کے انسان تھے، انسانی کمزوریوں سے مبرا کیونکر ہو سکتے ہیں، لیکن ان کی خوبیاں قدرت کی عطا تھیں اور کسی بھی شخصیت کو اس کی کلیت میں دیکھا جاتا ہے نہ کہ جزوی طور پر شخصیت کی compartmentalization کر کے!

جہاں تک سالک صاحب کا احرار کی ''ریشہ دوانیوں'' کے نقاد ہونے کا تعلق ہے تو اس کے کچھ مخصوص سیاسی وجوہ ہیں۔ سالک کا سیاسی مسلک احرار سے الگ تھا، انھوں نے ''انقلاب'' کے صفحات یونینسٹ پارٹی کے لیے وقف کر رکھے تھے۔ دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ سالک مرزائیوں کے بارے میں بوجوہ نرم گوشہ رکھتے تھے جب کہ احرار مرزائی گروہ کے شدید ترین ناقد! پسرِ سالک نے تو اس ضمن میں بنا کسی لگی لپٹی مرزائیوں کی وکالت اور علمائے کرام پر جانبدارانہ تنقید کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔

صاحبِ مضمون نے بڑے رسان سے سپیشل مجسٹریٹ گورداسپور کے 1935 کے فیصلے کا حوالہ دیا ہے، لیکن اس

کے مالہ و ماعلیہ کو وہ پھر شیرِ مادر کی طرح ہضم کر گئے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ اس مقدمے کے تاریخی تناظر، شاہ جی کی تقریر، مقامِ تقریر، تقریر کی وجہ اور موقع و محل پر بھی روشنی ڈالتے اور پھر سپیشل مجسٹریٹ کے اس فیصلے کی جو تنسیخ مسٹر جی ڈی کھوسلہ سیشن جج گورداسپور نے اپنے تاریخی فیصلے 6 جون 1935 کے ذریعے کی جس سے قادیانی امت بے نقاب ہوگئی، اس پر بھی خامہ فرسائی کرتے۔ لیکن وہ بھلا ایسا کیوں کرنے لگے! یہ تو بیچ چوراہے اپنے ''پوتڑے'' دھونے کے مترادف ہوتا!

سیشن جج گورداسپور مسٹر کھوسلہ نے شاہ جی کے جرم کو محض اصطلاحی قرار دے کر تا اجلاسِ عدالت قیدِ محض کی سزا دی۔ مرزائیوں کی بوکھلاہٹ کا عالم یہ تھا انھوں نے اس فیصلے کے بعض حصوں کو محذوف کرانے کے لیے عدالت عالیہ سے رجوع کیا۔ فی الاصل یہ پہلا عدالتی جائزہ تھا کہ قادیان میں مرزائیوں کی ''ریاست اندر ریاست'' کے چہرے سے گھونگھٹ اٹھایا گیا اور بقول شورش کاشمیری

''حکومت کو بھی غالباً پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ اس کا ''خود کاشتہ پودا'' خود سر بھی ہے!''

اپنے مضمون میں مضمون نگار نے ایک اور نکتہ پر اپنا زورِ قلم صرف کیا ہے، وہ ہے شاہ جی، شورش اور احرار کی مبینہ چندہ خوری، مالی معاملات میں خرد برد وغیرہ۔ درحیرتم کہ الزام لگانے والا خود جس صف سے ہے، اس کا اپنا ماضی و حال نہ صرف چندہ خوری بلکہ مالی معاملات میں غبن اور غریب مرزائیوں کے معاشی استحصال سے عبارت ہے۔ ایک انگریزی کہاوت کا مفہوم ہے کہ شیشے کے گھر میں رہنے والوں کو دوسروں پر پتھر پھینکنے سے احتراز کرنا چاہیے یا پھر بائبل میں مرقوم مسیح علیہ السلام کا وہ ارشاد کہ تم میں سے پہلا پتھر وہ پھینکے، جس نے خود کبھی گناہ نہ کیا ہو! ہم تیقن سے نہیں کہہ سکتے کہ فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون میں الفاظ کے جو طوطا مینا اڑائے ہیں، ربوہ کی نظارت اس سے کس حد تک واقف ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے نہایت بودے اور کمزور دلائل پر اپنے استدلال کی عمارت کا تاج محل کھڑا کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

مذکورہ الزام کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں پر چندے کھانے اور مالی معاملات میں بے قاعدگی کا الزام لگایا جا رہا ہے، خود ان کا رہن سہن اور معیارِ زندگی تا عمر کیسا رہا؟ ان کی رحلت کے بعد ان کی اولاد و احفاد کا معیارِ زندگی کیسا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ شاہ جی کے بدترین سیاسی مخالف بھی اس حوالے سے ان کے فقر و استغنا اور درویشی کے قائل ہیں۔ خود صاحبِ مضمون نے یہ الزام لگانے کے باوجود ایک جگہ پر یہ اعتراف کیا ہے:

''بہت عرصہ بعد ایک احمدی عالم ان سے ملنے ملتان گئے۔ ان کی روداد پڑھ کر ترس آتا ہے کہ ہندوستان کا ایک مشہور مقرر کسمپرسی میں اپنے آخری دن گزار رہا تھا۔''

اگلی ہی سانس میں موصوف نے سید حبیب مدیر ''سیاست'' کے گھسے پٹے الزام کو بھی دھرا دیا: ''عطا اللہ شاہ بخاری کو امرتسر میں تین ہزار روپے کا مکان کس نے لے کر دیا؟''

عرض یہ ہے کہ شاہ جی امرتسر میں اپنا ذاتی مکان خریدنے سے قبل پانچ مختلف کرائے کے مکانوں میں رہائش پذیر رہے، 1934 میں جب شاہ جی کے استاد زادہ و ہم سبق مولانا بہاء الحق قاسمی مرحوم (جو معروف مزاح نگار و کالم نگار عطاء الحق قاسمی کے والد اور یاسر پیرزادہ کے دادا ہوتے ہیں) نے اپنا مکان فروخت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو شاہ جی نے

اپنی اہلیہ محترمہ کے زیورات بیچ کر اور کچھ اپنے والد صاحب سے پیسے لے کر مبلغ 3400 روپے میں گلوالی دروازہ والا مکان خرید کیا، برعظیم کی تقسیم تک شاہ جی کی رہائش اسی مکان میں رہی اور بعد از قیامِ پاکستان متروکہ جائیداد کے کلیمز تک داخل نہ کیے اور 1948 سے 1961 تک اپنی حیاتِ مستعار محلّہ ٹبی شیر خان ملتان میں کرایہ کے ایک مکان میں گزار دی۔

اس ضمن میں ایک مسلم لیگی دانشور کی شہادت ملاحظہ کیجیے:

''پاکستان بننے کے بعد شاہ جی بحیثیت مہاجر ملتان تشریف لائے۔ آپ امرتسر میں اپنا مکان چھوڑ آئے تھے، مگر آپ نے دوسرے لیڈروں کی طرح یہاں کوٹھی، کوئی بنگلہ، کوئی کارخانہ اور کوئی مکان تک الاٹ نہ کرایا۔ مظہر نواز خان جو کہ شاہ صاحب کی لاعلمی میں ان کی رہائش کے لیے کوئی چھوٹا مکان الاٹ کرانے کی اپنے طور پر کوشش کرتا رہا، مگر نمائشی دینداروں نے اس کی کوئی پیش نہ چلنے دی۔ آخر مجبور ہو کر انھوں نے متحدہ ہندوستان کے اس خطیبِ اعظم کے لیے میرے عقبی محلّہ ٹبی شیر خان کے ایک گوشہ میں تیس روپے ماہوار کرایہ پر ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے لیا۔ جس میں شاہ صاحب نے آخیر دم تک رہائش رکھی۔

یہ مکان عارضی طور پر لیا گیا تھا اور آپ کے شایانِ شان کوئی اچھا مکان تلاش کرنے کے لیے جب شاہ صاحب سے اجازت چاہی تو اس شیرِ خدا نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

''میری جو حیثیت ہے، میں جانتا ہوں اور آپ بھی جانتے ہیں۔ میری حیثیت سے تو یہ مکان بھی بڑا ہے۔ میرے بزرگوں نے تو کھجور کی عارضی چھتوں اور کچی دیواروں میں ہمیشہ گزارہ کیا جنھیں مکان کہنا شاید آپ لوگ گناہ سمجھیں اور یہ تو بہرحال مکان ہے اور مجھے اس واسطے بھی پسند ہے کہ آپ لوگوں نے اسے میرے لیے پسند کیا ہے۔''

(منشی عبدالرحمٰن خان ''چند نا قابلِ فراموش شخصیات'' ص 129، مطبوعہ عالمی ادارہ اشاعتِ علومِ اسلامیہ ملتان)

شاہ جی کی زندگی کے آخری ایام میں جب آپ بسترِ مرگ پر تھے تو اس وقت کے معروف صحافی و کالم نگار کوثر نیازی، شاہ جی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، وہ شاہ جی سے اپنی اس آخری ملاقات کو یوں قلم بند کرتے ہیں:

''دوسری مرتبہ میرا ملنا ملتان میں ہوا۔ میں وہاں ایک اجتماع سے خطاب کرنے گیا تھا۔ پہنچا تو معلوم ہوا کہ شاہ جی بیمار ہیں۔ ان کی عیادت کی غرض سے ان کے آستانے پر حاضری دی، مگر یا للعجب! یہ کیا؟ ایک کچی بستی میں ایک کچا مکان، نہ کوئی نوکر نہ چاکر، پردوں کی جگہ دیواروں پر بوریاں لٹکی ہوئی، مجھ سے رہا نہ گیا۔'' شاہ جی آپ یہاں رہتے ہیں؟ کہنے لگے، جی ہاں، یہی محل تو میں نے ہندوؤں کے سرمایہ سے بنوایا ہے! یہ اس الزام کی طرف اشارہ تھا جو بعض سنگدل لوگ انھیں کانگریس کا تنخواہ دار کہہ کر لگایا کرتے تھے۔ طبیعت تڑپ اٹھی...... میری آنکھوں میں آنسو آ گئے، مگر میں نے دیکھا اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی شاہ جی کے چہرے پر صبر و شکر کا نور بکھرا ہوا تھا۔''

(روزنامہ جنگ راولپنڈی، 22 اگست 1982)

اس ضمن میں تیسری شہادت معروف شاعر سید ضمیر جعفری کی ملاحظہ فرمائیں۔ وہ رقم طراز ہیں کہ انھیں ایک بار اپنے ایک دوست کے کام کے سلسلے میں ملتان شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا، ملتان پہنچ کر کافی تگ ودو

کے بعد وہ شاہ جی کے آشیانہ کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے الفاظ ہیں:

''دل کو پہلا دھچکا مکان دیکھ کر لگا، ہمارے ملک کا بطلِ جلیل اور اتنے معمولی سے مکان میں رہائش پذیر! دروازے پر دستک دی تو ایک مولوی صاحب نکلے، وہ مجھے اندر لے گیے۔ شاہ صاحب پہلے ہی کمرہ میں تشریف رکھتے تھے جو خاصا کشادہ تھا۔ چٹائی بچھی ہوئی تھی، پاک و ہند کا شعلہ نوا خطیب اور جنگِ آزادی کا عظیم مجاہد ایک دیوار کے قریب ایک پرانے سے تکیے کی ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ چند کاغذات سامنے بکھرے پڑے تھے۔ ایک پلندہ تکیے کے نیچے دبا رکھا تھا۔ میں نے سلام کیا، آپ سلام کا جواب دے کر، جس میں تپاک کی گرمی تھی، پھر اپنے کاغذات پر جھک گئے۔ چند کاغذات تکیے کے نیچے سے نکالے اور چند تکیے میں رکھے۔ پھر خاکسار کو ایک نگاہِ بندہ نواز سے نوازا اور گویا ہوئے.....''

ان کے عرضِ مدعا کے بعد شاہ جی نے کالج کے پرنسپل کے نام ایک عجیب وغریب سفارشی خط تحریر کر دیا اور پھر آپ کی مجلس میں مختلف موضوعات کے علاوہ نظامِ تعلیم بھی زیرِ بحث آیا تو ان کے بقول:

''امیرِ شریعت دو چار جملوں کے بعد جلال میں آ گئے۔ خطابت کا ایک دریا چڑھاؤ پر آ گیا، وہ باقاعدہ تقریر کرنے لگے جیسے ان کے سامنے میں اکیلا نہ بیٹھا تھا، حاضرین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا۔ کیا نظامِ تعلیم پر تیر برس رہے تھے! یہ کیسا نظامِ تعلیم ہے جو بے چینی کے سوا کچھ نہیں دے سکتا، جو دخترانِ ملت کو نچوانے پر تلا ہوا ہے۔ حکومت کے پرزے اڑ رہے تھے! علم کم ہے، تحریص زیادہ ہے، پبلسٹی پر زور ہے، قلندری نے خواجگی کی قبا اوڑھ لی ہے۔''

ایک ذاتی فہمائش جو مجھے ہمیشہ یاد رہے گی، یہ فرمائی:

''بیٹا! محرومیوں کے باوجود اپنی ذات پر اعتماد قائم رکھنا۔ قوموں کی زندگی ایک تسلسل کا نام ہے، اس تسلسل کو زندہ رکھنا۔''

شاہ صاحب کے ایک ایک لفظ سے اضطراب و جلال کا دریا چھلک رہا تھا، ان کی آواز دور دور تک جا رہی تھی، جیسے کوئی زخمی شیر دھاڑ رہا ہو! میں بلکہ سارا ماحول اس وقت شاہ صاحب کے سحرِ خطابت میں جھوم رہا تھا، حقائق دل میں تراز و ہو رہے تھے، ادب کا چشمہ ابل رہا تھا۔ وہاں سے اٹھنے کو جی تو کیا چاہتا مگر ساتھ ہی ڈر لگ رہا تھا کہ اگر سی آئی ڈی نے پہلے چشم پوشی سے کام لے ہی لیا تھا تو اب ضرور دھرلے گی۔ چنانچہ ایک مقام پر جیسے ہی ان کا آشوبِ دل ذرا دھیما ہوا، ہم اجازت لے کر آستانے سے باہر نکل آئے۔ مگر بہت دور تک قدم اور دل بوجھل رہے۔ یہ ملال کا بوجھ تھا کہ دیکھو جو شخص اس ملک کی آزادی کے لیے اپنے خونِ جگر سے چراغ روشن کرتا رہا، اس کے حجرے میں نہ بتی نہ دیا ہے۔

(امیرِ شریعت کا ایک خط از سید ضمیر جعفری مطبوعہ اردو ڈائجسٹ، دسمبر 1983)

اب ذرا الزام کنندہ کے ممدوح مرزا غلام احمد قادیانی، جماعتِ احمدیہ اور مرزا صاحب کی اولاد اور موجودہ جماعتِ احمدیہ کے موجودہ سربراہ کی تاریخ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

مرزا صاحب ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کی کچہری میں ایک معمولی تنخواہ پر ملازم تھے۔ خود لکھتے ہیں:

''ہماری معاش کا دار و مدار والد کی ایک مختصر آمدنی پر تھا اور بیرونی لوگوں میں ہمیں ایک شخص بھی نہیں جانتا تھا۔ میں ایک

گمنام انسان تھا جو قادیان جیسے ویران گاؤں کے زاویہ گمنامی میں پڑا ہوا تھا۔'' (حقیقۃ الوحی، ص 211)

مرزا صاحب نے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے مناظرے کی آڑ میں مسلمانوں سے چندہ مانگنا شروع کیا تو تین لاکھ سے زائد روپیہ جمع ہو گیا۔ (حقیقۃ الوحی)

اپنے الہامات کو بنیاد بنا کر انگریزی حکومت کی تائید وحمایت میں اس قدر کتابیں لکھیں کہ وہ تمام کتابیں اگر اکٹھی کی جائیں تو ان سے پچاس الماریاں بھر سکتی ہیں۔ (تریاق القلوب از مرزا قادیانی، ص 15)

مرزا صاحب کا خاندان انگریزوں کا پشتینی وفادار خاندان تھا۔ خود مرزا صاحب نے بڑے فخر اور طمطراق سے اس بات کا جابجا کریڈٹ لیا ہے۔ مرزا صاحب اور ان کے آباء واجداد کا وتیرہ یہی تھا کہ ہم وطنوں کی جاسوسی کر کے انگریز استعمار سے مراعات اور جاگیریں وصول کریں۔ مرزا صاحب کی چاپلوسی کا انداز ملاحظہ کیجیے:

''میرے والد مرزا غلام مرتضٰی صاحب دربار گورنری میں کرسی نشین بھی تھے اور سرکار انگریزی کے ایسے خیر خواہ اور دل کے بہادر تھے کہ مفسدہ 1857 میں پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر اور پچاس جنگجو جوان بہم پہنچا کر اپنی حیثیت سے زیادہ اس گورنمنٹ عالیہ کی مدد کی تھی۔'' (تحفہ قیصریہ، ص 16)

مزید دیکھیے:

''ہمارا جاں نثار خاندان سرکار دولت مدار کا خود کاشتہ پودا ہے، ہم نے سرکار انگریزی کی راہ میں اپنا خون بہانے اور جان دینے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔'' (مجموعہ اشتہارات حصہ سوم جمع کردہ محمد صادق، ص 262، اشتہار نمبر 48 مرقومہ مرزا قادیانی 1898 خط بنام بحضور نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر دام اقبالہ)

مرزا صاحب اور ان کی جماعت ہندوستان پر غاصبانہ سامراجی تسلط کے بعد سامراج کے سیاسی جاسوس اور گماشتے کا کردار ادا کر رہی تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی جماعتِ احمدیہ مختلف حکومتوں کی آشیرباد سے سکوں کی جھنکار پر اپنے ضمیر کا سودا کرتی رہی۔ اس سلسلے میں 5 اگست 1965 کے روزنامہ نوائے وقت کے صفحہ اول پر چھپنے والی خبر ملاحظہ کیجئے:

''راولپنڈی: 4 اگست: مرکزی حکومت احمدیہ مشنوں کو افریقہ اور دوسرے ملکوں میں اپنے مذہبی نظریات کی تبلیغ کے لیے 1961 سے اب تک گیارہ لاکھ پچاس ہزار نو سو ننانوے روپے دے چکی ہے۔ یہ بات پارلیمانی سیکرٹری برائے خزانہ مسٹر محمد حنیف نے آج قومی اسمبلی میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتائی۔ کیپٹن احمد خان نے پارلیمانی سیکرٹری سے دریافت کیا کہ کیا یہ حقیقت ہے کہ احمدیہ مشنوں کو زرمبادلہ کی کثیر رقوم کی منظوری ملنے کی وجہ یہ ہے کہ زرمبادلہ کی منظوری دینے والے افسر پر احمدیوں کا اثر ہے؟ پارلیمانی سیکرٹری نے اس کے جواب میں کہا کہ معزز رکن اپنے طور پر جو رائے قائم کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔''

ہم اس خبر پر کوئی تبصرہ نہیں کرتے بلکہ اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

اب ذرا جماعتِ احمدیہ کے چندہ سسٹم پر بھی کچھ بات کیے لیتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ غریب سے غریب احمدی سے بھی مخصوص ریٹ کے مطابق چندہ وصول کرتی ہے جو مجموعی آمدنی کا کم از کم 8.25% (6.25% + 1% +

1%) پر مشتمل ہوتا ہے۔

سعید احمد خان، ایڈیشنل فنانس سیکرٹری ''احمدیہ مسلم ایسوسی ایشن یو۔کے'' کے مالی سال 2009-10 کے حوالے سے لکھے گئے ایک خط کی کچھ سطور ملاحظہ کیجیے:

We have been advised by Markaz to remind all members to ensure that their laazmi Chandas are being paid in accordance with the prescribed rates. And there are any shortfalls or arrears, then these should be paid immediately without delay.

صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ چندہ اکٹھا کرنے کا الزام صرف مولویوں یا اہلِ مذہب پر ہی نہیں عائد ہونا چاہیے بلکہ اپنے گریبان میں بھی جھانک کر دیکھ لیا جائے کہ آپ کے گھر میں کیا ہو رہا ہے!

ایک طرف تو قادیانی کلٹ کے نام نہاد ''خلیفہ'' مرزا مسرور کی آف شور کمپنیاں اور اندرون و بیرون ملک جائیدادیں ہیں تو دوسری طرف جن صاحبانِ عزیمت پر صاحبِ مضمون نے گمراہ کن الزامات عائد کئے ہیں، ان کا اوران کی اولاد کا رہن سہن سادگی سے عبارت ہے۔ برطانوی سامراج کے گماشتے اوراس کی اولاد کی جائیدادوں کا شمار نہیں تو دوسری طرف خانوادہ امیرِ شریعت کے پاس آج بھی ذاتی ملکیت میں دو گاڑیاں تک نہیں۔ شاہ جی کے فرزندوں اوران کی اولاد کا رہن سہن آج بھی انتہائی سادہ ہے۔

''شاہ جی اور شورش کی میراث'' میں ایک الزام یہ بھی لگایا گیا ہے:

''انگریز سرکار کے ڈر سے ان میں جرأت نہیں تھی کہ سرعام قتل کے فتوے جاری کرتے لیکن اگر کوئی سادہ لوح قتل کا مرتکب ہو جاتا تو اس کو غازی اور شہید کے تاج بھی احراری ہی پہناتے تھے۔''

لگتا ہے مضمون نگار احرار کو غلطی سے جماعتِ احمدیہ کی طرح فرنگی استعمار کا گماشتہ اور چاپلوس سمجھ بیٹھے ہیں جو انھوں نے یہ در فنطنی چھوڑی ہے کہ انگریز سرکار کے ڈر سے ان میں جرأت نہیں تھی کہ سرِ عام قتل کے فتوے جاری کرتے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ احرار کا مزاج فتویٰ بازی کا کبھی رہا ہی نہیں، احرار بنیادی طور پر علماء کی جماعت ہی نہیں، بلکہ نچلے متوسط اور متوسط طبقہ کے مسلمانوں کی ایک اسلامی انقلابی جماعت ہیں جس کا خمیر ہی سامراج دشمنی سے اٹھایا گیا ہے، خود مضمون نگار نے اپنے دونوں مضامین میں اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قتل و غارت کا جو الزام مضمون نگار نے احرار پر لگایا ہے، اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ جب کہ ہم یہاں قارئین کی خدمت میں باحوالہ یہ بات پیش کریں گے کہ جماعتِ احمدیہ نے کس طرح تقسیم برعظیم سے قبل اور بعد غنڈہ گردی اور دہشت گردی کا طوفانِ بدتمیزی برپا کیے رکھا۔

قیامِ پاکستان سے قبل ''قادیان'' کی بابت قادیانی حضرات کا طریقہ واردات بالکل وہی تھا جو اسرائیل کے حوالے سے یہودیوں کا رہا۔ مرزا بشیر الدین محمود نے پنجاب بھر سے اپنی امت کے افراد بلوا کر قادیان میں بسا لیے تھے۔ قادیان کو انھوں نے اپنی ذاتی جاگیر اور سٹیٹ بنا لیا تھا جہاں ان کی اجازت کے بنا کسی کو پر مارنے کی بھی اجازت نہ تھی۔

قادیانیوں نے بٹالہ کے دو مسلمان بھائیوں حاجی عبدالرحمن اور حاجی عبدالغنی کی ''شبان المسلمین'' نامی تنظیم کے ارکان پر کئی قاتلانہ حملے کیے، حتیٰ کہ مرزا بشیرالدین محمود کی سازش پر حاجی عبدالغنی کو شہید کر دیا گیا۔ ''شبان المسلمین'' سال بھر میں ایک سالانہ جلسہ منعقد کیا کرتی تھی جس میں دیگر اضلاع سے بھی علماء شریک ہوتے۔

شورش کاشمیری لکھتے ہیں:

''ایک ایسے ہی جلسہ کے اختتام پر جب کچھ علماء قادیان دیکھنے گئے تو قادیانی شہ زوری کا حال یہ تھا کہ مرزا بشیرالدین محمود کے ایماء پر مرزائی نوجوانوں نے ان علماء پر ہلہ بول دیا۔ انھیں اس بری طرح پیٹا کہ پناہ بخدا۔۔ چونکہ مقامی پولیس اور دوسرے حکام مرزا بشیرالدین کی مٹھی میں تھے اس لیے کسی نے رپٹ تک نہ لکھی اور نہ کوئی دادرسی کی۔ اس کے بعد کئی سال تک صحیح العقیدہ مسلمان قادیان جاتے ہوئے ڈرتے۔ مجلسِ احرار نے اس دہشت کو توڑنے کے لیے اپنے چند رضا کار قادیان بھیجے کہ وہاں جا کر مسلمانوں کی مساجد میں اذان دیں کیونکہ مرزائی اپنے سوا کسی کو اذان بھی نہیں دینے دیتے تھے۔ احرار رضا کار وہاں پہنچے، اذان دی لیکن قادیانی ڈنڈے لے کر پل پڑے اور ان موذن رضا کاروں کو اتنا مارا کہ زخموں سے چور ہو گئے اور مدت تک ہسپتال میں زیرِ علاج رہے۔ اس بہیمانہ تشدد کے خلاف مجلسِ احرار نے بٹالہ میں کانفرنس منعقد کی اور حکومت کو پہلی دفعہ للکارا کہ وہ اپنی چہیتی امت کے منہ میں لگام دے ورنہ نتائج خطرناک ہوں گے لیکن حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اور نہ قادیانی ٹس سے مس ہوئے۔ وہ گویا قادیان کی ریاست کے راجواڑے تھے اور وہاں قانون ان کے اشارۂ ابرو پر حرکت کرتا تھا۔ اس کے بعد مجلسِ احرار نے 1935 میں قادیان میں احرار کا دفتر کھولنے کا اصولی فیصلہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسٹر جی ڈی کھوسلہ سیشن جج گورداسپور کے الفاظ میں ''قادیانیوں کا تمرد اور شورہ پشتی اپنی معراج کو پہنچی ہوئی تھی''۔

جو لوگ قادیانی جماعت میں شامل ہونے سے انکار کرتے انھیں نہ صرف قادیان سے باہر نکال دیا جاتا بلکہ بعض اوقات مکروہ تر مصائب کی دھمکیاں دے کر دہشت انگیزی کی فضا پیدا کی جاتی۔

آغا شورش لکھتے ہیں:

''مرزا محمود نے عدالتی اختیار اپنے ہاتھ میں لے رکھے تھے۔ قادیان میں دیوانی اور فوجداری مقدمات کی سماعت کی جاتی۔ جو لوگ مخالف تھے، ان کے مکانوں کو جلایا گیا، کئی افراد کو قتل کیا گیا۔ مسٹر کھوسلہ نے اپنے تاریخی فیصلہ میں اس کی مثالیں بھی دی ہیں۔ ان کے روبرو مرزا بشیرالدین محمود نے تسلیم کیا کہ قادیان میں عدالتی اختیارات استعمال ہوتے ہیں اور ان کی عدالت سب سے آخری اپیل کی عدالت ہے۔ اس غرض سے قادیانیوں نے اپنے اسٹامپ بھی چھاپ رکھے تھے۔ مرزا محمود قادیان میں قتل کرانے کے ماہر سمجھے جاتے تھے اس غرض سے وہ اپنے والد کی ''پیش گوئیاں'' اور اپنے ''ذاتی الہام'' استعمال کرتے۔ مولوی عبدالکریم ایڈیٹر ''مباہلہ'' شروع میں قادیانی تھے، جب انھیں قادیانیت کی صداقت کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہوئے تو اس سے تائب ہو گیے۔ ان پر ظلم و ستم شروع ہوا۔ مرزا محمود نے مولوی عبدالکریم کی موت کی پیش گوئی کی جو ''الفضل'' میں چھپی۔ نتیجتاً عبدالکریم پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ وہ بال بال بچ گئے لیکن ان کا ضامن محمد حسین قتل کر دیا گیا، جب قاتل کو پھانسی ہوئی تو اس کا جلوس نکالا اور قادیان میں بہشتی مقبرے میں دفن کرایا۔ مولوی

عبدالکریم قادیان سے ہجرت کر کے امرت سر آ گئے، وہاں ان کا مکان نذرِ آتش کر دیا گیا۔ ایک دوسرا قتل مرزائی مبلغ محمد امین کا تھا جس کو کلہاڑی کے وار سے قتل کیا گیا۔ ہلاک اس لیے کیا گیا کہ مرزا بشیر الدین محمود اس سے ناراض ہو گیا تھا۔ پولیس نے اس سلسلے میں کوئی کاروائی نہ کی۔ تب قادیان میں مرزائیوں کی دہشت اور غنڈہ گردی کا عالم یہ تھا کہ ان کے خلاف کوئی شہادت دینے کی جرات ہی نہ کر سکتا تھا۔ مسٹر کھوسلہ سیشن جج گورداسپور کے الفاظ میں ''سرکاری حکام قادیانیت کے مقابلے میں غیر معمولی حد تک مفلوج ہو چکے تھے۔''

1937 کے انتخابات میں قادیانیوں کو عبرتناک شکست ہوئی تو مرزا بشیر الدین کے لیے یہ صورتحال سوہانِ روح تھی۔ انھوں نے راجندر سنگھ آتش نام کے ایک سکھ نوجوان کو دس ہزار روپے کے عوض شاہ جی کے قتل پر تیار کیا۔ اس غرض سے پانچ ہزار روپے پیشگی دیے اور پانچ ہزار قتل کے بعد ادا کرنے کے وعدہ کیا، لیکن راجندر سنگھ نے شاہ جی کو دیکھا، ان کی تقریر سنی تو اپنے ضمیر کو تیار نہ کر سکا۔ (یہی سکھ نوجوان جیل میں آغا شورش کے ساتھ بھی قید رہا) مرزا محمود راجندر سنگھ کے انکار سے پریشان ہوا، اس کو سازش کے منکشف ہونے کا خطرہ تھا۔ اس نے سی آئی ڈی سے سازش کر کے راجندر کو کلکتہ میں گرفتار کرا دیا اور اس پر الزام عائد کیا کہ وہ انقلابی پارٹی کا ممبر ہے۔ جب اس کو پنجاب لایا گیا تو اس نے مرزا محمود کی سازش کے انکشاف کا ارادہ کیا کہ وہ اس حقیقتِ حال سے عدالت کو مطلع کرے گا اور بتائے گا کہ اس کی گرفتاری مرزائی گروہ کی سازش سے ہوئی ہے۔ مرزا بشیر الدین کو خطرہ تھا کہ وہ شاہ جی کے قتل کی سازش آشکار کرے گا۔ جب راجندر سنگھ کا ارادہ پولیس کے علم میں آیا تو صوبائی گورنمنٹ کے حکم پر اس کو فی الفور رہا کر دیا گیا۔ لیکن شاہ جی کے خلاف مرزائی پولیس افسروں کی پخت وپز سے بغاوت وغیرہ کے جرم میں کئی مقدمات تیار کیے گئے!

احمدی جماعت اور اس کے ''خلیفہ'' کی غنڈہ گردی یہیں پر ختم نہیں ہوتی، قیام پاکستان کے بعد مرزا محمود نے اپنے ناقوس ''الفضل'' میں کھلے بندوں پاکستان کے پانچ جید علماء کے قتل کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ درج ذیل علماء سے خون کا بدلہ لیا جائے گا (1) سید عطاء اللہ شاہ بخاری (2) ملا عبدالحامد بدایونی (3) ملا احتشام الحق تھانوی (4) ملا مفتی محمد شفیع (5) ملا مودودی (الفضل، 15 جنوری، 1952)

ہمارا خیال ہے کہ مضمون نگار قیامت تک ایسا کوئی حوالہ پیش نہیں کر سکتے جس میں شاہ جی، شورش یا کسی اور احرار رہنما نے کسی بھی مرزائی کو باوجود اس طبقے کی بوقلموں گستاخیوں کے، اس طرح سرِ عام قتل کی دھمکی دی ہو یا قتل کا فتوی جاری کیا ہو۔ تاریخی حقائق کا یوں برسرِ عام مذاق اڑاتے ہوئے انھیں شرم آنی چاہیے کہ کون سا الزام کن لوگوں پر عائد کیا جا رہا ہے۔ ستم یہ ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ افراد کا ایک مخصوص حلقہ ہر اس بات کو جو احمدی حلقوں کی جانب سے کی گئی ہو، خواہ مخواہ ہی مستند باور کرنے لگ جاتا ہے، چاہے وہ امرِ واقعہ سے کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو! ہماری دانست میں یہ علمی رویہ نہیں، ہمارے ان روشن خیال دوستوں پر تو یہ ذمہ داری بدرجہ اولیٰ عائد ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی بات کو محض اس لیے شرفِ قبولیت سے نہ نوازیں کہ وہ احمدی حلقوں کی جانب سے آ رہی ہے، بلکہ اس بات کو اتنی ہی کڑی کسوٹی پر پرکھیں اور جانچیں، جس کسوٹی پر وہ اہلِ مذہب کی بات کو رکھتے ہیں۔

ختم نبوت پر ایک سوشلسٹ کا موقف

حامد میر

ختم نبوت کے حلف میں تبدیلی کے معاملے پر اسرار کے سائے لہرانے لگے ہیں۔ وزیر قانون زاہد حامد کے مستعفی ہونے کے باوجود یہ معاملہ آسانی سے ختم ہوتا نظر نہیں آرہا۔ زاہد حامد سمیت مسلم لیگ (ن) سے تعلق رکھنے والے کئی وزراء کا شروع سے یہ کہنا تھا کہ ختم نبوت کے حلف میں تبدیلی ایک کلیریکل غلطی تھی۔

بعدازاں موقف تبدیل کر کے کہا گیا کہ پارلیمنٹ کی انتخابی اصلاحات کمیٹی میں موجود حکومت اور اپوزیشن کے تمام ارکان کو ختم نبوت کے حلف میں تبدیلی کا علم تھا لیکن اس وقت کسی نے اعتراض نہ کیا۔

اس کمیٹی میں شامل اپوزیشن ارکان کے علاوہ مسلم لیگ (ن) کی اتحادی جے یو آئی (ف) کے ارکان کا کہنا ہے کہ کمیٹی کے کسی بھی اجلاس میں ختم نبوت کا معاملہ کبھی زیر بحث نہیں آیا۔ جے یو آئی (ف) کی رکن قومی اسمبلی نعیمہ کشور صاحبہ نے اپنی اتحادی جماعت کے تبدیل شدہ موقف پر حیرانی اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اس معاملے کی عدالتی تحقیقات کا مطالبہ کر دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ چند افراد کی غلطی سے ایک نان ایشو کو ایسا ایشو بنا دیا گیا جس پر ملک بھر میں دھرنے اور گھیراؤ جلاؤ شروع ہو گیا۔

انتخابی اصلاحات کمیٹی میں شامل حکومت اور اپوزیشن کے کئی ارکان سے استفسار پر معلوم ہوا کہ ان سب کی زیادہ توجہ انتخابی اصلاحات کے لمبے چوڑے بل کی اس ایک دفعہ پر مرکوز تھی جس کے تحت نا اہل شخص کو دوبارہ پارٹی صدر بنایا جانا تھا۔ اس سیاسی کشمکش کے ماحول میں کسی نے کاغذات نامزدگی میں موجود ختم نبوت کے حلف کا لفظ بدل دیا۔

جماعت اسلامی کے صاحبزادہ طارق اللہ نے قومی اسمبلی میں یہ نکتہ اٹھایا تو شور شرابے میں کسی نے توجہ نہ دی۔ پھر سینیٹ میں جے یو آئی (ف) کے حافظ حمد اللہ نے یہ معاملہ اٹھایا تو اراکین پارلیمنٹ کو پتہ چلا کہ ختم نبوت کا حلف بدل دیا گیا ہے، اگر یہ ایک کلیریکل غلطی تھی تو غلطی کی معافی مانگ لینی چاہئے تھی لیکن جب حکومت نے اس معاملے کی ذمہ داری پارلیمنٹ کی ایک ۳۶ رکنی کمیٹی پر ڈال دی تو معاملہ بگڑ گیا۔ اب مزید تحقیقات کا مطالبہ شدت پکڑ رہا ہے۔

یہ طے ہے کہ موجودہ پارلیمنٹ میں حکومت اور اپوزیشن کے اکثر ارکان کو ختم نبوت کے معاملے کی حساسیت سے آگاہی نہ تھی۔ ان ارکان نے ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی منتخب قومی اسمبلی میں ختم نبوت پر ہونے والی بحث کی تفصیل پڑھی ہوتی تو انہیں معلوم ہوتا کہ یہ معاملہ صرف چند علماء نے نہیں اٹھایا تھا بلکہ قومی اسمبلی میں حکومت اور اپوزیشن کے تمام ارکان نے بحث

میں حصہ لیا تھا اور اتفاق رائے سے آئین کی دفعہ ۲۶۰ میں ترمیم کرتے ہوئے احمدیوں اور بہائیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔

۳۰ جون ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی کے جن ارکان نے ختم نبوت کا مسئلہ حل کرنے کے لئے قرارداد پیش کی ان کی تعداد بھی ۳۶ تھی۔ محرکین میں مولانا مفتی محمود، مولانا شاہ احمد نورانی، چودھری ظہور الٰہی، سردار شوکت حیات، پروفیسر غفور احمد، مولانا عبدالحق، سردار شیر باز مزاری، عبدالحمید جتوئی، مولا بخش سومرو، علی احمد تالپور، رئیس عطاء محمد مری، صاحبزادہ صفی اللہ، خواجہ جمال کوریجہ، محمد ابراہیم برق اور صاحبزادہ نذیر سلطان کے علاوہ دیگر شامل تھے۔ صاحبزادہ نذیر سلطان موجودہ قومی اسمبلی کے بھی رکن ہیں۔

قومی اسمبلی کے کمرہ بند اجلاس میں کئی روز تک اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار نے جماعت احمدیہ کے سربراہ مرزا ناصر احمد پر جرح کی اور آخر کار وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے ترمیمی بل پیش کیا جو منظور ہو گیا۔ آج کی پیپلز پارٹی کے اکثر رہنماؤں کو یہ معلوم نہیں کہ ختم نبوت پر ہونے والی بحث میں پیپلز پارٹی کے ایک بانی رکن اور وزیر ثقافت وسائنس ملک محمد جعفر نے بھرپور حصہ لیا۔ ملک محمد جعفر نے ختم نبوت کے مسئلے پر ۵ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی میں تفصیلی خطاب کیا جو قومی اسمبلی کی مطبوعہ کارروائی کی جلد پانچ میں موجود ہے۔ ملک محمد جعفر کا اپنا تعلق جماعت احمدیہ سے رہ چکا تھا۔ انہوں نے میٹرک قادیان سے کیا تھا لیکن بعدازاں انہوں نے احمدیت چھوڑ دی جس پر میجر جنرل عبدالعلی سمیت کئی احمدی رشتہ داروں نے ملک محمد جعفر کو چھوڑ دیا۔ ملک صاحب ایک سوشلسٹ تھے لیکن انہوں نے احمدیہ تحریک پر ایک کتاب لکھی جس میں احمدیوں کی تضحیک کئے بغیر دلائل کے ساتھ ان کے عقائد پر بحث کی گئی۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بار بار اس کتاب کو شائع کر چکی ہے۔ اس کتاب کا ذکر میں نے ملک محمد جعفر کے بارے میں ایک کتاب ''جن روزوں درویش ہوئے ہم.....'' میں پڑھا جو ملک صاحب کی صاحبزادی ساجدہ جعفر نے مرتب کی ہے۔ اس کتاب میں آئی اے رحمان صاحب نے ملک محمد جعفر کے متعلق لکھا کہ ملک صاحب کی جس بات نے مجھے بہت متاثر کیا وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنی آزادی رائے کی خاطر اپنا مسلک چھوڑ دیا۔ میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ انہوں نے صحیح کیا یا غلط لیکن جس آدمی میں اتنی جرأت ہو کہ اپنا آبائی مسلک چھوڑ دے میں اس کی بہت عزت کرتا ہوں۔ ملک صاحب نے آئی اے رحمان اور غنی جعفر کے ساتھ مل کر قائداعظم کی اسمبلی میں کی گئی تاریخی تقاریر پر مشتمل ایک کتاب ''جناح ایز اے پارلیمنٹیرین'' بھی مرتب کی۔ ملک صاحب کی فیض احمد فیض سے بڑی دوستی تھی۔ ساجدہ جعفر کی کتاب میں ملک صاحب کے بارے میں سلیمہ ہاشمی کا بھی ایک مضمون شامل ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ابّا اور انکل جعفر ایک ہی طرح کے انسان تھے۔

دونوں کا سیاسی نظریہ ایک ہی تھا۔ دونوں کا دھیما پن ایک ہی جیسا تھا۔ دونوں کے ذہنوں میں وسعت اور

صبر تھا۔فیض کے سیاسی نظریے پر یقین رکھنے والے ملک محمد جعفر نے قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جماعت احمدیہ اور اسرائیل کے درمیان روابط اس ایوان کے سامنے آچکے ہیں،ان روابط کی تحقیقات کی جائیں۔واضح رہے کہ ۲۰ اگست ۱۹۷۴ء کو اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار نے قومی اسمبلی میں مرزا ناصر احمد سے پوچھا تھا کہ کیا آپ کا اسرائیل میں مشن موجود ہے۔مرزا ناصر احمد نے جواب میں کہا وہاں ہماری جماعت موجود ہے کیونکہ اسرائیل میں بھی تو مسلمان رہتے ہیں۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ اسرائیل فلسطینی مسلمانوں کو پسند نہیں کرتا فلسطینی مسلمان اسرائیل کے خلاف مزاحمت کررہے ہیں لیکن آپ کے نمائندوں کی اسرائیل کے صدر اور وزیراعظم سے ملاقاتیں ہوتی ہیں،اسرائیل فلسطینی مسلمانوں پر ظلم کرتا ہے آپ پر اتنی عنایات کیوں؟ مرزا ناصر احمد نے کہا کہ ہمارے اسرائیل کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں،جو لوگ یہ تاثر دیتے ہیں کہ ۱۹۷۴ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے مذہبی جماعتوں کے دباؤ پر احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا وہ قومی اسمبلی میں ختم نبوت کی کارروائی کے علاوہ ملک محمد جعفر کی کتاب ''احمدیہ تحریک'' پڑھنے کی زحمت گوارا کرلیں۔

اس کتاب میں ملک محمد جعفر نے احمدیوں کے ساتھ ظلم و جبر کی بجائے نرم رویہ اختیار کرنے کی تجویز دی۔قومی اسمبلی میں اپنی تقریر کے آخر میں ملک محمد جعفر نے تجویز پیش کی تھی کہ پبلک سرونٹس کے لئے ایک خصوصی حلف ہونا چاہئے جس کے تحت وہ قسم اٹھائیں کہ وہ اپنے کسی مذہبی،فرقہ وارانہ،روحانی گروہ،تنظیم یا مسلک وغیرہ کے مفادات کو پاکستان کے ریاستی مفاد پر ترجیح نہیں دیں گے۔

اپنی تقریر میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ حکومت اسلام کی تبلیغ کے لئے ایک ادارہ قائم کرے جو اسلام کے بنیادی عقائد اور خصوصاً عقیدہ ختم نبوت کی تبلیغ و اشاعت کرے۔پیپلز پارٹی کے ارکان سے گزارش ہے کہ آج کل وہ پارٹی کی پچاسویں سالگرہ منا رہے ہیں۔اپنی پارٹی کے ایک بانی رکن کی کتاب اور قومی اسمبلی میں ختم نبوت پر ان کی تقریر کو ایک دفعہ پڑھ لیں اور باقی جماعتوں کے ارکان کو بھی پڑھائیں تو سب کو فائدہ ہوگا۔ختم نبوت کا مسئلہ آئین میں طے کیا جاچکا ہے۔ احمدی غیر مسلم قرار دیئے جاچکے ہیں لیکن آئین کے تحت وہ پاکستان کے شہری ہیں اور ان کی جان و مال کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری ہے۔عام مسلمانوں کو اسلام کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا چاہئے یہ مطالعہ انہیں فتنہ پھیلانے والوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

(مطبوعہ: روزنامہ جنگ، ۳۰؍نومبر ۲۰۱۷ء)

خطبات بہاولپور کا علمی جائزہ ......نماز میں سر کا ڈھانپنا......ڈارون کا نظریۂ ارتقاء　(قسط:۳)

علامہ محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

نماز میں سر کا ڈھانپنا:

خطبہ نمبر۱۰ کے بعد جو سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا تو اس دوران ایک سوال یہ پوچھا گیا تھا کہ نماز میں سر پر کپڑا لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے جناب ڈاکٹر صاحب نے مردوں اور عورتوں کا حکم الگ الگ بیان فرمایا۔ جہاں تک فقہی لحاظ سے جواب کا تعلق ہے تو انھوں نے درست ارشاد فرمایا، مگر ہم چند اور نکات کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا:

> ''مرد کے متعلق سر ڈھانپنا ضروری نہیں ہے...... کپڑے پہنے تو بہت اچھا ہے، نہ پہنے تو کسی کو کافر کہنے کا حق نہیں ہے۔ چنانچہ اس قسم کا ایک واقعہ صحیح بخاری میں آیا ہے۔ ایک صحابی تھے غالباً سعد بن معاذ یا کوئی اور، نام اس وقت یاد نہیں۔ ان کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بعد، خلافت کے زمانے میں ایک دن ان کو کچھ لوگوں نے بہت ادب سے اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ کھانے کے بعد لوگوں نے درخواست کی کہ آپ ہی نماز پڑھایئے، ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ غالباً اس سے پہلے اسی قسم کی گفتگو ہوئی تھی۔ بہرحال ان صحابی نے نماز پڑھانا قبول کیا۔ نماز سے قبل انھوں نے سجادہ کی طرف جاتے ہوئے پہلے عمامہ اتارا، پھر کوٹ اتار پھینکا اور پھر قمیص بھی اتار دی۔ صرف تہہ بند کے ساتھ آگے آئے اور آگے بڑھ کر نماز شروع کی۔ لوگ حیران ہوئے۔ اس پر انھوں نے جو کچھ فرمایا وہ بخاری میں ان الفاظ میں آیا ہے کہ: ''تجھ جیسے احمق کو بتانے کے لیے میں نے عمداً ایسا کیا ہے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تمھارے خیال میں ہمارے پاس دو دو کپڑے ہوتے تھے؟ اس وقت ہم ننگے سر ہی نماز پڑھتے تھے''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر ڈھانپنا بے شک اچھا ہے، ادب کا تقاضا ہے اور اس آیت شریف کے مطابق ہے کہ جب نماز کے لیے جاؤ تو زینت کے ساتھ جاؤ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ واجب ہے''۔ (خطبات، ص:۳۲۴)

اب ہماری چند گزارشات سنیے:

۱۔　سوال سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سائل نے کیسی گستاخی کا ارتکاب کیا تھا، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈاکٹر صاحب میں اس قدر ہلکا پن کیوں آ گیا کہ ان کے منہ سے ایک ایسا جملہ نکلا جو ان کی بزرگ عمری اور علمی سنجیدگی کو زیب نہیں دیتا۔ کس نابکار نے کبھی یہ کہا ہے کہ جو شخص نماز میں سر نہ ڈھانپے، وہ کافر ہو جاتا ہے؟ آخر اس ''طنز شریف'' کا مقصد اور موجب کیا ہے؟

۲۔　ڈاکٹر صاحب میں جو ہیجانی کیفیت نظر آ رہی ہے، غالباً اسی کا اثر ہے کہ وہ صاحبِ واقعہ صحابی کا نام بھول گئے۔

انھیں یاد نہ رہا، مگر تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تو ۵ھ میں غزوۂ خندق میں زخمی ہو کر اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کی وفات پر اللہ کا عرش ہل گیا ہے، جب کہ مذکورۃ الصدر واقعہ عہدِ نبوت کے بعد کا ہے۔

قارئین کی اطلاع کے لیے ہم عرض کیے دیتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ہے۔

۳۔ ڈاکٹر صاحب نے دعوت کا تذکرہ کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی وہ بخاری شریف سے نقل کر رہے ہیں۔ حالانکہ صحیح بخاری میں اس بات کا صریحاً تذکرہ تو کجا، کہیں اشارہ تک اس طرف نہیں پایا جاتا۔ معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب نے کہاں سے لیا ہے۔

۴۔ اوپر نقل کی گئی عبارت میں چوتھا خط کشیدہ اقتباس پھر پڑھئے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے الفاظ کی عجیب و غریب ملمع سازی فرمائی ہے۔ روایت میں کہیں بھی اس قسم کے الفاظ موجود نہیں ہیں، بلکہ قارئین کو سن کر حیرت ہوگی کہ بخاری کی روایت میں صرف ایک رداء (اوڑھنے کی چادر) کا تذکرہ ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بخاری کی کتاب الصلوٰۃ میں دو مرتبہ آیا ہے۔ باب نمبر۳ اور باب نمبر ۱۱ میں۔ باب نمبر ۱۱ کا عنوان ہے: ''الصلوٰۃ بغیر رداء'' اور نیچے روایت میں **وردائہ موضوع** (یعنی ان کی اوپر کی چادر رکھی رہی) کے کلمات درج ہیں۔

محدثین حضرات کی احتیاط کا تو یہ عالم ہے کہ اگر انھیں کسی روایت کے الفاظ میں کہیں شک پیدا ہو گیا تو انھوں نے اپنا شک بیان کر دیا۔ مثال کے طور پر وضو کی فضیلت میں مسلم شریف (ج:۱،ص:۱۲۵) میں ایک روایت آئی ہے، اس میں ایک جگہ تو آیا ہے: ''**العبد المسلم او المؤمن**'' راوی کو تردد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں المسلم کا لفظ ہے یا المؤمن کا۔ اسی حدیث میں آگے ہے: ''**مع الماء او مع آخر قطر الماء**'' (پانی کے ساتھ، یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ) یہاں بھی راوی نے تردد اور شک کا اظہار کیا ہے۔ پھر مسلسل آگے کتابوں میں جہاں بھی یہ روایت نقل کی گئی، اسی طرح کی گئی...... ایک طرف ان حضرات کی یہ احتیاط اور دوسری طرف ڈاکٹر صاحب کے اضافے۔ مقامِ حیرت ہے رداء کو عمامہ، کوٹ اور قمیص میں تبدیل فرما دیا۔

ڈارون کا نظریۂ ارتقاء:

خطبات بہاول پور میں چھٹا خطبہ ''دین (عقائد، عبادات وتصوف)'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں جب سوالات کا سلسلہ شروع ہوا تو کسی نے یہ سوال کیا:

> ''ڈارون کا نظریۂ ارتقاء اگر سائنسی نقطۂ نظر سے صحیح ہے تو اسلام اور سائنس میں تضاد ہے۔ آپ اس تضاد کو حل کرنے کے بارے میں ارشاد فرمائیں۔''

ڈاکٹر صاحب کا جواب ڈیڑھ صفحے تک چلا گیا ہے۔ پوری عبارت کا نقل کرنا غیر ضروری ہے۔ چند اقتباسات ہم یہاں نقل کرتے ہیں اور پھر ان کے بارے میں اپنی طرف سے چند معروضات پیش کریں گے۔

۱۔ ''یہ پہلے ہی فرض کر لیا گیا ہے کہ ڈارون کے نظریے کو اسلام نے رد کر دیا ہے۔ اس کو ثابت کرنا آپ پر واجب

ہے۔ بعد میں دیکھیں گے کہ یہ چیز اسلام کے موافق ہے یا مخالف۔''

۲۔ ''یہاں (کیمبرج یونیورسٹی میں) ڈارون نے اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے عربی زبان بھی پڑھی۔ اس کے خطوط کا جو مجموعہ شائع ہوا ہے، اس میں کئی خط اس نے اپنے عربی کے استاد کے نام لکھے ہیں اور بے حد ادب و احترام سے اس کا نام لیا ہے۔''

۳۔ ''میں سمجھتا ہوں کہ اس زمانے میں کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کی جو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں ان میں یا تو ''اخوان الصفا'' کے اقتباسات ہوں گے یا ابن مسکویہ کی ''الفوز الاصغر'' کے انتخابات۔ ان دونوں کتابوں میں ارتقاء کا نظریہ بیان کیا گیا ہے اور آپ کو معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ ان مسلمان مؤلفوں کی زندگی میں کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کبھی انھیں کافر قرار نہیں دیا گیا۔''

۴۔ ''ان کتابوں میں لکھا ہے کہ خدا پہلے مادہ کو پیدا کرتا ہے اور اس مادہ میں ترقی کی قوت عطا کرتا ہے۔ لہٰذا مادہ اوّلاً بخار یا دھویں کی صورت اختیار کرتا ہے۔ پھر ترقی کرتے ہوئے پانی کی صورت اختیار کرتا ہے۔ جمادات ترقی کرتے ہوئے مختلف قسم کے پتھر بنتے ہیں اور بالآخر وہ مرجان کی صورت اختیار کرتے ہیں جو ہوتے تو پتھر ہیں لیکن ان میں درخت کی سی شاخیں ہوتی ہیں۔''

۵۔ ''پھر جمادات کے بعد نباتات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے...... پھر اس کے بعد ادنیٰ ترین قسم کا حیوان پیدا ہوتا ہے۔ وہ ترقی کرتے کرتے کیا بنتا ہے؟ ابن مسکویہ بیان کرتا ہے، اخوان الصفا میں بھی وہی بیان کیا گیا ہے کہ وہ بندر کی شکل اختیار کر لیتا ہے...... یہ ڈارون کا بیان نہیں ہے۔ مسلمان حکماء کا بیان ہے۔''

۶۔ ''پھر اس کے بعد ترقی کرتا ہے تو ادنیٰ قسم کا انسان بنتا ہے...... وہ ترقی کرتے کرتے اعلیٰ ترین انسان بنتا ہے۔ یہ بشر، ولی اور پیغمبر ہوتا ہے۔''

۷۔ ''پھر اس سے بھی ترقی کر کے فرشتہ بنتا ہے۔''

۸۔ ''پھر فرشتوں کے بعد ذات باری تعالیٰ خدا ہی کی ذات ہوتی ہے۔ ہر چیز خدا سے شروع ہو کر پھر خدا ہی کی طرف جاتی ہے۔ **و الیہ المرجع والمآب**۔''

۹۔ ''ہمارا تصور یہ ہے کہ اللہ ایک کمہار کی طرح مٹی کو لیتا ہے اور اس کے اندر مورت بناتا ہے۔ اس کے اندر روح پھونکتا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام بن جاتے ہیں۔ ممکن ہے ایسا ہوا ہو، میں انکار نہیں کرتا۔ لیکن آپ ان آیتوں کا کیا کریں گے جن میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ نے انسان کو مٹی اور پھر نطفے سے پیدا کیا۔''

۱۰۔ ''ایک اور آیت کو لیجیے: ''**خلقکم اطوارا**'' خدا نے انسان کو طور بہ طور پیدا کیا۔ ''طور'' وہی لفظ ہے جس تطوّر (Evolution) بنایا گیا ہے۔ خدا نے انسان کو طور بہ طور پیدا کیا، اس کے معنیٰ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خدا نے انسان کو اوّلاً جمادات کی شکل میں بنایا، پھر وہ جمادات ترقی کرتے ہوئے نباتات بنتے ہیں، پھر حیوان

بنتے ہیں۔'' (یہ اقتباسات خطبات (چوتھا ایڈیشن) کے صفحہ ۲۱۶ تا ۲۱۸ سے لیے گئے ہیں)

ایک ضروری گزارش:

محترم قارئین! ذرا رک جایئے، آگے بڑھنے سے پہلے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا واقعہ دہرا کر اپنا ایمان تازہ کر لیجیے۔ خلافتِ عباسیہ کا آفتاب عروج پر ہے۔ معتزلی علماء دربارِ خلافت پر چھائے ہوئے ہیں۔ ایک من گھڑت مسئلہ، بزور علماءِ حق سے منوانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ وقت کے سب سے بڑے محدث اور دینی رہنما ہیں۔ آپؒ باطل کے سامنے سر جھکانے سے انکاری ہیں۔ ادھر کرۂ ارض کی سب سے بڑی سلطنت، جبر وتشدد پر اتر آتی ہے۔ نرم و نازک بدن پر کوڑوں کی بارش ہو رہی ہے، مگر امام عالی مقام کی زبان سے ایک ہی جملہ نکل رہا ہے:

''ایتونی بشیء من کتاب اللّٰہ او سنة رسوله حتیٰ اقول به.''

ترجمہ: ''اللہ کی کتاب یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے کوئی دلیل لے آؤ تو میں مان سکتا ہے۔''

اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کو یہ وصیت فرما گئے تھے:

''ترکت فیکم امرین لن تضلوا بعدی ما تمسکتم بھما، کتاب اللّٰہ و سنتی.''

(مشکوٰۃ، ص: ۳۱)

ترجمہ: ''میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک تم ان کو تھامے رہو گے تم گمراہ نہیں ہو گے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔''

اگر ایسے کٹھن وقت میں امام احمد بن حنبلؒ، فرمان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لاج نہ رکھتے تو اور کون رکھتا؟ اور ہاں..... قارئین کو وہ بھی یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تورات کے کچھ اوراق، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر خاموش رہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں پڑھنا شروع کر دیا۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہونے لگا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سختی سے ٹوکتے ہوئے کہا: تم دیکھتے نہیں ہو کہ چہرۂ انور پر کیا گزر رہی ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رخِ انور کی طرف دیکھا تو فوراً کہا:

''اعوذ باللّٰہ من غضب اللّٰہ و غضب رسوله رضینا باللّٰہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد نبیا''

ترجمہ: ''میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اللہ کے غضب اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غضب سے۔ ہم اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سن لو! جس ذات کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اس کی قسم اگر (بالفرض حضرت) موسیٰ سامنے آجائیں اور تم ان کے پیچھے لگ کر مجھے چھوڑ دو تو تم سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے اور اگر (حضرت) موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پا لیتے تو وہ ضرور میرا ہی اتباع کرتے۔ (اس حدیث کے تحت شارح مشکوٰۃ شریف حضرت ملّا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' و فی الحدیث نهی بلیغ عن العدول من

الکتاب و السنة الی غیرھما من کتب الحکماء و الفلاسفة'' (مرقاۃ، ج:۱،ص:۲۶۲)

سطور بالا سے یہ بات قارئین پر واضح ہوگی کہ ہر وہ مسئلہ جس کے ڈانڈے اسلامی عقائد ونظریات سے ملتے ہوں، ان میں اندھا دھند کسی کے پیچھے چل پڑنے کا کوئی جواز نہیں۔ کتاب وسنت کا سہارا لینا ضروری ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اسی کی زحمت اپنے قارئین کو دیں گے۔ وباللہ التوفیق

ڈارون کون تھا؟

ڈارون، انگلستان کا رہنے والا ایک سائنس دان تھا۔ اس کی پیدائش ۱۸۰۹ء میں ہوئی۔ کیمبرج یونیورسٹی وغیرہ میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اس نے مطالعۂ کائنات کو اپنا مشن بنایا۔ بیس برس کے مسلسل تجربات اور مشاہدات کے بعد اس نے اپنا مشہور نظریہ پیش کیا Origin Of The Species (انواع مخلوق کی اصل) کے نام سے اس نے اپنی کتاب شائع کی جس نے لکھی پڑھی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ یہ کتاب ۱۸۵۹ء میں پہلی مرتبہ لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچی۔ اب اس کو ڈیڑھ صدی ہونے کو ہے کہ اس نظریہ کے بارے میں نفیاً اثباتاً قلم کاروں کی مساعی سامنے آرہی ہیں۔

ڈارونی نظریہ کا پس منظر:

تاریخ کے طالب علموں کو معلوم ہوگا کہ مسیحیت کی علم دشمنی، تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ غالباً چوتھی صدی عیسوی کے اوائل میں رومی بادشاہ، قسطنطین اوّل نے عیسائیت کو قبول کیا، جس کے بعد عیسائیت نے یورپ میں زور پکڑ لیا۔ رومی سلطنت پرانی دنیا کے تین براعظموں (یورپ، ایشیا اور افریقہ) کے بیشتر ممالک پر چھائی ہوئی تھی۔ کلیسا (Church) کی تنگ نظری اور علم دشمنی کی داستان طویل بھی ہے اور انتہائی وحشت ناک بھی۔ پاپائے روم کے حکم سے ایک محکمۂ احتساب قائم ہوا۔ جس کے فیصلوں سے تین سال کے عرصہ میں تین لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو مختلف سزائیں سنائی گئیں، ان میں ۳۲ ہزار انسانوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ ظلم وستم اور جبر وقہر کا سب سے بڑا نشانہ یہودی تھے، اس لیے کہ وہ رائج الوقت علوم وفنون کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

زمانہ کروٹ بدلتا ہے اور تاریخ، ورق الٹتی ہے۔ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کا نظام ہزاروں، لاکھوں سال سے چلا آرہا ہے۔ عقیدۂ ولدیت (کہ حضرت عیسی علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں) کے ماننے والوں کا زور ٹوٹا۔ صنعتی انقلاب کے بعد دنیا کو جدید سائنس کا لوہا ماننا پڑا۔ اب قرآن پاک کی اس پیش گوئی کے مطابق عقیدۂ ولدیت کے نتائج اتنے بھیانک اور روح فرسا ہیں کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم انھیں سوچ سوچ کر لرز جاتے تھے: ''فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰی آثَارِهِمْ '' (سورۂ کہف:۶) ڈارونی......اور...... مارکسی نظریات ہی نہیں اور بھی متعدد علمی افکار (Scientific Theories) کی شکلوں میں نمودار ہونے لگے۔ مذہبی انارکی نے عالمگیر وبا کی صورت اختیار کرلی۔

ڈارونیت کا استقبال کیونکر ہوا؟

ڈارون کا نظریۂ ارتقاء کیا ہے؟ یہاں تفصیل سے بتانا بڑا مشکل ہے، البتہ آگے چل کر ہم جناب ڈاکٹر حمید اللہ

صاحب کے اوپر دیے گئے اقتباسات پر گفتگو کریں گے تو اس ضمن میں اس کا ذکر آ جائے گا۔ یہاں پر اتنا بتا دینا مناسب ہوگا کہ خود سائنسی دنیا کے بہت سے نامور فضلاء اس نظریہ کو مضحکہ خیز اور مغالطہ انگیز قرار دے چکے ہیں۔ آکسفورڈ سے ایک کتاب The Encyclopedia Of Ignorance کے نام سے شائع ہوئی جو ۶۰ مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس میں ایک مقالہ:

The Fallacies Of Evolution Theory

کے عنوان سے شامل ہے جس کے لفظی معنی ہیں ''نظریۂ ارتقاء کے مغالطے''۔

اس سے قطع نظر ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بنیادی طور پر نظریۂ ارتقاء مذہب پر کس حد تک اثر انداز ہوا۔ یہودیوں کی ایک کتاب ہے جس کا نام ہے:

Protocols Of The Learned Elders Of Zion

یعنی ''اکابر علماء صہیون کے معاہدات''۔ اس کا عربی ترجمہ ''بروتوکولات صهيون'' کے نام سے بیس سال پیشتر مکہ مکرمہ سے شائع ہوا تھا۔ اس کتاب کے دو اقتباس یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ ''اذكروا نجاح دارون و ماركس و نتشه، فنحن الذين او جدناهم و تعلمون جميعا ما كان لسموم هذه المذاهب من اثر فى اخلاق الأقوام و عقولهم...... يجب ان ندرس بدقة و عناية آراء الشعوب و اخلاقها و ميولها''.

ترجمہ: ''تم لوگ یاد رکھو کہ ڈارون، مارکس اور نیٹشے کس طرح کامیاب ہوئے۔ ہم ہی تو ان کو وجود میں لائے اور تم سب یہ بھی جانتے ہو کہ ان افکار کے زہر کس طرح مخالفین کے اخلاق اور ان کی عقلوں پر اثر انداز ہوئے...... ضروری ہے کہ ہم بڑی دقّتِ نظر اور انہماک سے قوموں کے نظریات، ان کے اخلاق اور رجحانات کا مطالعہ کریں۔''

۲۔ ''ان دارون ليس يهوديا، و لكننا عرفنا كيف ننشر آرائه على نطاق واسع و نستغلها فى تحطيم الدين''.

ترجمہ: ''ڈارون یہودی تو نہیں ہے، لیکن ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم اس کے نظریات کو ایک بڑے پیمانہ پر کس طرح پھیلا سکتے ہیں اور دین کو پاش پاش کرنے میں کیونکر اس سے امداد لے سکتے ہیں۔''

ایک عبارت کا ملخص ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

''ہمارے مخالفین اس حد تک عاجز ہو چکے ہیں کہ وہ ہمارے علمی افکار سے باہر سوچ ہی نہیں سکتے۔ اسی چیز کا ہم پورا پورا اہتمام کرتے ہیں اور یہی وہ تعلیم ہے جو درس گاہوں میں دینا ضروری ہے۔ انسانی زندگی اور اس کے اجتماعی اصول کا علم۔''

(جاری ہے)

متلاشیانِ حق کے لیے دعوت فکر و عمل

مکتوب نمبر: ۷

ڈاکٹر محمد آصف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز احمدی دوستو!

مرزا غلام احمد قادیانی 1893ء میں ایک کتاب لکھتے ہیں اور اس میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جن کے اندر مہدی کے آنے کا ذکر ہے تُو خوب جانتا ہے کہ وہ تمام احادیث ضعیف اور مجروح ہیں اور ایک دوسرے کی مخالف و معارض ہیں یہاں تک کہ ابن ماجہ اور دوسری کتابوں میں ایک حدیث یہ بھی موجود ہے کہ نہیں مہدی مگر عیسیٰ بن مریم پس احادیث کے اس شدید اختلاف، تعارض اور ضعف کے ہوتے ہوئے ان جیسی احادیث پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ جبکہ ان احادیث کے راویوں پر بہت زیادہ کلام کیا گیا ہے جیسا کہ محدثین پر مخفی نہیں۔ پس حاصل کلام یہ ہے کہ یہ تمام احادیث تعارض و تناقض سے خالی نہیں ہیں اس لیے ان سب احادیث کو چھوڑ دو اور حدیثی تنازعات کو قرآن پر پیش کرو اسے احادیث پر حکم بناؤ تا کہ تم رشد و ہدایت پانے والے ہو جاؤ۔ (حمامۃ البشریٰ روحانی خزائن جلد 7 صفحات 314 تا 315)

مرزا صاحب نے اپنی اس تحریر میں بلا استثناء ان تمام احادیث کو نا قابل اعتبار کہا ہے جن کے اندر ''مہدی'' کے آنے کا ذکر ہے اور اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ ایک تو یہ تمام احادیث ضعیف اور مجروح ہیں اور دوسرا ان احادیث کے اندر شدید اختلاف اور تعارض (تضاد) پایا جاتا ہے یعنی مرزا صاحب کا اصول حدیث یہ ہے کہ اگر مختلف روایات کے درمیان بظاہر تعارض (تضاد) نظر آتا ہو تو وہ تمام روایات نا قابلِ قبول ہو جاتی ہیں پھر مرزا صاحب یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ ان تمام احادیث کو چھوڑ کر قرآن کی طرف رجوع کیا جائے اور اس سے فیصلہ کیا جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں دیکھا جائے کہ ''مہدی'' نے آنا ہے یا نہیں آنا؟ اس کا تعارف کیا ہے اس کی علامات کیا ہوں گی؟ وہ کس خاندان سے ہوگا۔ یہ سب باتیں ہمیں قرآن کریم سے پوچھنا ہوں گی۔

میرے محترم!

کیا قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت موجود ہے کہ جس میں یہ ذکر ہو کہ ''ایک مہدی'' نے آنا ہے؟ اس کی یہ علامات ہیں۔

الغرض! بتانا یہ مقصود ہے کہ حدیث مبارکہ بنفس نفیس حجت ہے مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ جو حدیث قرآن کے

خلاف ہوگی وہ قابل قبول نہیں ایک بے مطلب دعویٰ ہے۔اور پھر وہ کرتے کیا ہیں کہ قرآن مجید کی آیات کی ایسی خودساختہ تشریح وتفسیر کرتے ہیں جو نہ صحابہ کرام نے کی اور نہ مرزا صاحب سے پہلے تیرہ سو سال میں کسی مستند اور مشہور مفسر نے کی، اس کے بعد یہ شور مچانا کہ فلاں فلاں حدیث چونکہ قرآن مجید کی فلاں آیت کے خلاف ہے لہٰذا یہ قابلِ قبول نہیں جبکہ حقیقت میں وہ حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہوتی بلکہ ان کی خودساختہ تفسیر کے خلاف ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر مرزا صاحب نے امت مسلمہ کے اجماعی عقیدہ کے برعکس یہ دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم فوت ہو چکے ہیں اور ان کی قبر کشمیر میں ہے۔لوگوں نے پوچھا کہ نبی کریم نے تو خبر دی ہے کہ وہ آسمان سے نازل ہوں گے تو مرزا صاحب نے کہ کہا کہ حضرت عیسیٰؑ کو زندہ ماننا قرآن کے خلاف ہے کیونکہ قرآن میں حضرت عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں اب انہوں نے کیا یہ کہ قرآن مجید کی مختلف آیات میں اپنی مرضی کی تفسیر پیش کر کے دعوے کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ (یہ الگ بات ہے کہ خود مرزا صاحب اپنی تقریباً 69 سالہ زندگی کے 52 سال حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے تھے جو پوری امت اسلامیہ کا ہے) اور مرزا صاحب نے اپنی کتاب براہین احمدیہ (روحانی خزائن جلد نمبر ا،ص:۶۰۱) میں قرآن مجید کی آیات سے ثابت کیا ہے کہ (کوئی رسمی عقیدے کے طور پر وہاں بیان نہیں کیا) حضرت عیسیٰ دوبارہ نازل ہوں گے۔اور مرزا صاحب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ براہین احمدیہ کی تالیف کے دوران سے مجھ پر وحی والہام کا نزول شروع ہے اور براہین احمدیہ میں اپنی چند وحی والہامات درج بھی کئے ہیں۔

والسلام علیٰ من التبع الھدیٰ

منجانب: آپ کا ایک خیرخواہ

دعاءِ صحت

- ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المومن بخاری دامت برکاتہم شدید علیل ہیں
- حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند گرامی جناب خواجہ رشید احمد صاحب گزشتہ دو سال سے شدید علیل ہیں
- مجلس احرار اسلام پاکستان کے نائب امیر جناب پروفیسر خالد شبیر احمد صاحب علیل ہیں
- مجلس احرارِ اسلام ملتان کے سرپرست اور رکن مرکزی مجلس شوریٰ صوفی نذیر احمد شدید علیل ہیں
- مدرسہ معمورہ ملتان کا سابق طالب علم حافظ محمد اویس سنجرانی گزشتہ دو سال سے شدید علیل ہے
- لاہور کے بزرگ احرار کارکن چودھری محمد اکرام صاحب طویل عرصے سے علیل ہیں
- مجلس احرار ملتان کے نائب ناظم قاری عبدالناصر علیل ہیں

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مریضوں کی صحت یابی کے لیے دعاء فرمائیں، اللہ تعالیٰ انہیں شفا کاملہ عطا فرمائے۔

نام کتاب: ڈاکٹر سید شیر علی شاہ مدنیؒ کے دلچسپ سفرنامے مرتب: مولانا نور اللہ فارانی (مبصر: نجم الحق)
ضخامت: ۱۹۲ صفحات ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ

زیر تبصرہ کتاب دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے شیخ الحدیث حضرت ڈاکٹر سید شیر علی شاہ رحمہ اللہ کے سفرناموں کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو حرمین شریفین، فلسطین، اردن، عراق اور ایران وغیرہ بلادِ اسلامیہ کی سیاحت کا موقع دیا۔ حضرت نے اپنے مشاہدات قلمبند فرمائے ہیں۔ ان مقدس مقامات میں بہت سے انبیاء علیہم السلام کی قبور ہیں۔ حضرت کو جن انبیاءِ کرام علیہم السلام کی قبور کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، ان مقامات کی جغرافیائی حدود اور وہاں کے رہنے والوں کے رسم و رواج، عادات و اخلاق اور معاشرتی بود و باش کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے۔ ’’قریہ خلیل‘‘ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد و احفاد کی قبور ہیں، ان علاقوں میں ’’بارکنا حولہ‘‘ کی زمینی منظر کشی بڑے خوبصورت اور دلکش انداز میں کی ہے۔ ان مقدس مقامات کے تذکرے پڑھ کر ایمان کو جلا ملتی ہے۔ اس سفرنامے میں حضرت نے جگہ جگہ عرب بھائیوں کے دینی احوال اور مادہ پرستی کے سیلاب پر فکرمندی کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اردن میں صرف دو مذہبی مدرسے ہیں۔ یہاں عیسائیت کے مبلغین مسلمانوں کے عقائد پر زبردست طریقے سے اثر انداز ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کے بچے عیسائیوں کے سکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، ایسی صورت حال میں تعلیماتِ اسلام کی جو حالت ہو سکتی ہے اس کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حالت پر رحم کرے! میری رائے میں یہ کتاب آپ کے وقت کا نعم البدل ثابت ہو گی اور موافق و مخالف حالات میں جرأت مندانہ زندگی گزارنے کا سلیقہ عطا کرے گی۔

نام کتاب: افادات و ملفوظات عزیزیہ انتخاب: عتیق الرحمٰن ضخامت: ۷۶ صفحات
ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دعاؔجو رحمہ اللہ کا شمار پاکستان میں تبلیغی جماعت کے اوّلین دعاۃ میں ہوتا ہے۔ آپ میاں جی عبداللہ مرحوم کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں خود کو تبلیغ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ تبلیغ کے درد نے آپ کو ایک جگہ تادیر قیام نہ کرنے دیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان تشریف لائے، تبلیغی اسفار میں کبھی پنجاب تو کبھی سرحد کو دعوت کا میدان بنایا۔ پھر ٹنڈو آدم میں تبلیغی مرکز قائم کیا۔ یہاں پانچ سال قیام رہا، اس کے بعد کراچی تشریف لے گئے اور ساڑھے چار سال تک وہاں دعوت کے کام کو پھیلایا، مختلف مجالس قائم کیں اور مسلمانوں کو پیغمبرانہ درد میں شریک کیا۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں کراچی کی مجالس میں بیان فرمودہ منتخب انمول جواہر ہیں جو ایمان بالغیب، نماز، علم و ذکر، اکرام، اخلاص اور دعوت و تبلیغ کی حقیقت پر مشتمل ہیں۔ آپ نے سادہ پیرائے میں اور اپنے مخصوص مشفقانہ انداز میں عوام کے سامنے تبلیغ کی محنت رکھی ہے۔ آپ کے عزیز مستفید و مسترشد جناب محمد یونس صاحب نے ان جواہرات کو جمع کیا تھا، جنھیں القاسم اکیڈمی کتاب کی صورت میں افادہ عام کے لیے پیش کر رہی ہے۔ حضرت شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ اپنا تخلص ’’دعاجو‘‘ رکھا تھا۔ کتاب کے آخر میں منتخب شعری مجموعہ بھی درج کیا گیا ہے۔ اس میں بھی اصلاحِ اُمّت کا عنصر نمایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مسلمانوں کے لیے نافع بنائے۔ آمین۔

رُوداد احرار ختم نبوت کانفرنس، چناب نگر

حکیم محمد قاسم/مولانا کریم اللہ

قادیان کی طرح ربوہ میں بھی حضرت امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے اللہ کی توفیق سے ستائیس فروری 1976ء کو پیپلز پارٹی کے فسطائی دور کے باوجود ربوہ میں فاتحانہ داخل ہو کر اُس سرزمین پر پہلی نمازِ جمعۃ المبارک ادا کی۔ اور چھ ضلعوں کی پولیس کے ناکوں کے باوجود قائد احرار جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے اسلامی مرکز ''جامع مسجد احرار ربوہ'' کا سنگ بنیاد رکھا اور دورانِ تقریر گرفتار ہوئے۔ پھر بطل حریت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے اور تقریر فرمائی، اسی دوران فاتح ربوہ قائد احرار سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ تمام رکاوٹوں کے باوجود مسجد کی جگہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، تقریر کی پولیس نے گرفتار کرنا چاہا فرمایا میں خطبہ جمعہ دوں گا نماز پڑھاؤں گا اور پھر گرفتاری دوں گا، چنانچہ خطبہ دیا، نماز پڑھائی اور گرفتار ہو گئے۔ اُس دن سرکاری و مرزائی گماشتوں نے جامع مسجد احرار کے سنگ بنیاد میں شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے خواہش مند ہزاروں مسلمانوں کو ربوہ کے اردگرد، دریا کے پار چنیوٹ کی طرف، فیصل آباد اور سرگردھا کی طرف راستے بند کر کے شرکت سے روکے رکھا۔ یہ وہ سماں تھا دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ اس منظر نے حضرت امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کے دور میں سنہ 1934ء میں قادیان میں احرار کے داخلہ کی یادیں تازیں کر دی تھیں۔

یہی جامع مسجد احرار اور مرکز احرار ختم نبوت اپنی موجودہ وسیع شکل میں وہ مقام ہے جہاں ہر سال 11/12 ربیع الاوّل کو ختم نبوت کانفرنس ہوتی ہے اور 12 ربیع الاول کو ''دعوتی جلوس'' نکالا جاتا ہے۔ اس مرتبہ بھی ہم 10 ربیع الاول کا دن گزار کر رات کو چناب نگر مرکز احرار میں پہنچے، تو ملک بھر سے کارکنوں کی آمد کا منظر دیدنی تھا، قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری اپنی شدید علالت کے باوجود ملتان سے چناب نگر پہنچ چکے تھے، جب کہ مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ کی قیادت میں قافلہ چیچہ وطنی سے جب وہاں پہنچا تو رانا قمر الاسلام اور راقم کی معیت میں پہنچنے والے کارکنوں نے اپنی اپنی مصروفیات میں شریک ہونا شروع کر دیا۔ جب کہ وہاں پہلے سے موجود میاں محمد اویس، مولانا تنویر الحسن، ڈاکٹر آصف، مولانا محمد مغیرہ، مولانا محمود الحسن اور کئی دیگر حضرات کانفرنس کی تیاریوں کے آخری مراحل میں تھے، رات دیر تک سب ذمہ داران مصروفِ کار رہے۔ 11 ربیع الاوّل 30 نومبر جمعرات کو قافلوں کی آمد جاری تھی کہ یادگارِ اسلاف، رفیق امیر شریعت حضرت مولانا مجاہد الحسینی، ڈاکٹر عمران فاروق اور مولانا محمد راشد الوری کے ہمراہ تشریف لائے۔ بعد نمازِ ظہر پہلی نشست کا آغاز ہوا۔ حضرت پیر جی نے دُعا فرمائی اور نبیرۂ امیر شریعت سید عطاء المنان بخاری کی تلاوتِ قرآن پاک سے کاروائی کا آغاز ہوا۔ مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے افتتاحی خطاب میں کانفرنس کی تاریخ و غرض و غایت بیان کی، اور کہا کہ سیاسی انتہا پسندی نے ملک کی معیشت اور امن کو ڈبو کر رکھ دیا ہے، انہوں نے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت کا حلف نامہ ختم کرنا ایک خطرناک سازش تھی جس میں حکمران اور سیاست دان بڑے پیمانے پر شامل ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت مولانا مجاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم کو خطاب کی دعوت دی۔ مولانا مجاہد الحسینی کی تقریر کیا تھی بس یادوں کے دریچوں کو کھول کھول کر سامعین کو مسحور کیے جا رہے تھے انہوں نے فرمایا کہ: جناب نبی کریم ﷺ سے

عقیدت ومحبت کا تقاضا ہے کہ ہم تحفظ ناموس رسالت اور تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد کو ہر سطح پر منظّم کرنے والے بن جائیں، کیونکہ چودہ صدیوں سے امت عقیدہ ختم نبوت کا دفاع کررہی ہے، اور رہتی دنیا تک یہ دفاع جاری رہے گا، انہوں نے کہا کہ پنجاب کے وزیر قانون نے کہا کہ قادیانی بھی نماز پڑھتے ہیں، ان میں اور مسلمانوں میں زیادہ فرق نہیں۔ مولانا مجاہد الحسینی نے مزید کہا کہ منافقین کی طرف سے مدینہ منورہ میں مسجد ضرار جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے برداشت نہیں فرمائی تو گرادی گئی، تو جھوٹے نبی کو کیسے برداشت کیا جاسکتا ہے۔ مجلس احرار نے ختم نبوت کی شمع کو روشن رکھا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دینی مکاتب فکر کے علاوہ سیاسی جماعتوں کو بھی عقیدہ ختم نبوت کے حوالے سے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے کہ یہ مسئلہ ایمان کا مسئلہ ہے اور ملک کی سلامتی بھی اسی سے وابستہ ہے۔ دوسری نشست کا آغاز عشاء کی نماز کے بعد مجلس احرار اسلام کے سنیئر نائب امیر جناب پروفیسر خالد شبیر احمد کی زیر صدارت ہوا، جس میں مولانا تنویر الحسن نے نقابت کے فرائض سرانجام دیئے، جس میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر پیر طریقت حضرت حافظ ناصر الدین خاکوانی مدظلہ، مولانا محمد صابر سرہندی، مجلس احرار اسلام کے رہنما سید عطاء اللہ شاہ ثالث اور انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ پاکستان کے امیر مولانا محمد الیاس چنیوٹی (ایم پی اے) کے بیانات ہوئے۔ مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما جناب سید عطاء اللہ شاہ بخاری ثالث نے کہا کہ مجلس احرار اسلام برصغیر میں تحریک ختم نبوت کی بانی جماعت ہے اور اسکی قیادت نے اپنے مشن کے تواتر کو جاری رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ احرار حق وصداقت کا قافلہ ہے یہ ہمیشہ جاری رہے گا احرار کی بنیاد ختم نبوت کے مشن کے تحفظ کے لیے رکھی گئی ہمارے قدم تو کمزور ہوسکتے ہیں ہمارا عزم کبھی کمزور نہیں ہوا۔ مولانا محمد الیاس چنیوٹی ایم پی اے نے کہا کہ عقیدہ ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والوں اور ان کی حمایت کرنے والوں سے ہماری جنگ ہے انہوں نے کہا کہ اگر ن لیگ دین اسلام کیخلاف کوئی قدم اٹھائے تو ہم ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ختم نبوت والے حلف نامے میں تبدیلی اور 7 بی اور 7 سی کا نکالا جانا اس میں سو فیصد قادیانیوں کا خفیہ ہاتھ ہے انہوں نے کہا کہ میں نے پنجاب اسمبلی میں آن دی ریکارڈ یہ بات کہی اور اب بھی کہتا ہوں کہ میاں نواز شریف اپنے ارد گرد غور سے دیکھیں کہ قادیانیوں اور دین دشمن عناصر نے ان کا گھیراؤ کر رکھا ہے انہوں نے کہا کہ میاں نواز شریف صورت حال کا ادراک کریں کہ ان کے حقیقی دوست اور دشمن کون ہیں۔ حضرت پیر حافظ ناصر الدین خان خاکوانی نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت کی جدوجہد دین اسلام کی حفاظت کا ذریعہ اور مسلمانوں کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالی نے بنی نوع انسان کو جو ایجنڈا دے کر دنیا میں بھیجا اس کے مطابق ہم اللہ کے احکامات کی بجا آوری کی خاطر اندھی عقل کی بجائے وحی الٰہی پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حزب اللہ اور حزب الشیطان دنیا میں دو ہی گروہ ہیں ہم مسلمان حزب اللہ ہیں اور حزب الشیطان کی اپوزیشن ہیں اور انسانوں کو توحید وختم نبوت کے عقیدے کی بنیاد پر اللہ سے جوڑنے کی ذمہ داری لیے ہوئے ہیں۔ دیگر مقررین نے اپنے بیانات میں کہا کہ: ’’عقیدہ تحفظ ختم نبوت کا تحفظ صرف ایمان کی اساس ہی نہیں بلکہ امت مسلمہ کی حیات وموت کا مسئلہ بھی ہے۔ مقررین نے انتباہ کیا کہ حکومت آئین کی اسلامی دفعات کو ہر کچھ عرصے کے بعد چھیڑنے کا عمل بد مستقل بنیادوں پر ترک کردے اور ربوہ برانڈ ارتداد کے نمائندوں کو اپنی پناہ گاہوں اور اقتدار کی بالکونیوں سے نکال باہر کرے۔ تمام مقررین نے انتخابی حلف نامے سے عقیدہ ختم نبوت والی عبارت کو حلف نامے سے اقرار نامے میں بدلنے کے عمل کو غلطی کی بجائے واردات قرار دیا اور کہا کہ حلف نامے کی پرانی عبارت اور اس کی ذیلی شقیں 7 بی اور سی بحال کرنے کا ہم خیر مقدم بھی کرتے ہیں اور یہ انتباہ بھی کرتے ہیں کہ قوم ناموس رسالت اور تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں اپنا مال، جان اور عزت وآبرو قربان کردے گی لیکن ان مسائل پر کبھی کمپرومائز نہیں کرے گی‘‘۔ 12 ربیع الاول کو نمازِ فجر

کے بعد مناظر اسلام حضرت مولانا محمد مغیرہ نے درس قرآن مجید دیا جس میں آپ نے ''حیاتِ مسیح علیہ السلام'' کا مسئلہ نہایت سہل وعوامی انداز میں سمجھایا اور قادیانی شبہات کے تانے بانے تارِ عنکبوت کے طرح بکھیر کرر کھ دیے۔ صبح 9 بجے پرچم کشائی کی پرشکوہ تقریب بھی منعقد کی گئی جس میں پروفیسر خالد شبیر احمد، سید محمد کفیل بخاری، عبداللطیف خالد چیمہ، سید عطاء اللہ شاہ ثالث اور ظہیر احمد کاشمیری نے خطاب کیا۔ کانفرنس کے آخری اجلاس کی صدارت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر مولانا خواجہ عزیز احمد نے کی جبکہ مہمانان خصوصی سنیٹر حافظ حمد اللہ اور مولانا عبدالرؤف فاروقی تھے۔ سنیٹر حافظ حمد اللہ نے کہا کہ خوف اور لالچ کے ذریعے مسلمانوں کے ایمان اور عقیدے کو چھیننے کی کوشش ہو رہی ہے اسلام انسانی غلامی کو توڑنے کا دوسرا نام ہے، خوفزدہ ہو کر ڈر جانا ابلیسی سیاست کا کھیل ہے، ہمیں ایمان کے ذریعے خوف کو ختم کرنا ہوگا اور ختم نبوت پر کوئی کمزوری نہیں دکھانی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ قادیانی صرف غیر مسلم ہی نہیں بلکہ آئین اور ریاست کے باغی بھی ہیں قادیانیوں کیخلاف رد الفساد آپریشن کیوں نہیں ہوتا؟ انہوں نے کہا کہ میں پوچھتا ہوں کہ حلف نامے کو تبدیل کرنے میں حکومت و ریاست کا کتنا نقصان ہوا اور اس کا ذمہ دار کون ہے؟۔ انہوں نے کہا کہ غیر ملکی دباؤ کی وجہ سے ہمارا عقیدہ بھی غیر محفوظ بنا دیا گیا ہے۔ جبکہ جمعیت علماء اسلام (س) کے مرکزی سیکرٹری جنرل مولانا عبدالرؤف فاروقی نے کہا کہ مجلس احرار اسلام عقیدۂ ختم نبوت کے محاذ پر 1929ء سے ڈٹی ہوئی ہے جس پر پوری قوم کو ناز ہے انہوں نے کہا کہ مغربی جمہوریت نے ملک میں امن کو ختم کر دیا جمہوریت میں صرف جھوٹ کی سیاست چلتی ہے تمام مسائل کا حل صرف اسلام کے نفاذ میں ہی مضمر ہے۔ ابن ابوذر سید محمد معاویہ بخاری نے کہا کہ مجلس احرار کی سابقہ اور موجودہ قیادت نے عقیدے، نظریے اور جماعت سے کبھی بے وفائی نہیں کی انہوں نے کہا کہ دین عزیمت کا نام ہے اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کرنے میں مشکلات کی وادیاں تو عبور کرنی ہوں گی ناموس ختم نبوت پر بارہ سو صحابہ کرامؓ شہید ہوئے انہوں نے کہا کہ نبی مکرم ﷺ کے امتی بزدل نہیں ہو سکتے۔ نواسہ امیر شریعت سید محمد کفیل بخاری (نائب امیر مجلس احرار اسلام) نے جلوس کی روانگی سے پہلے ہدایات دیتے ہوئے کارکنان احرار کہا کہ مجلس احرار اسلام حکومت الٰہیہ کی داعی ہے، ہمیں اپنے قول و عمل سے دعوتِ دین کا کام ہمیشہ کرتے رہنا ہے۔ کانفرنس کے اختتام پر ہزاروں فرزندان اسلام، مجاہدین ختم نبوت اور سرخ پوشان احرار نے دعوتی جلوس نکالا یہ فقید المثال جلوس اور اس کے شرکاء مسجد احرار چناب نگر سے جب روانہ ہوئے تو تا حد نظر انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جلوس کے شرکا نہایت پرامن تھے جلوس جب اقصیٰ چوک پہنچا تو سید عطاء المنان بخاری نے شرکائے جلوس سے خطاب کیا۔ وہاں سے جلوس قادیانی مرکز ایوان محمود پہنچا تو بہت بڑے جلسہ عام کی شکل اختیار کر گیا۔ اس موقع پر قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ، سید محمد کفیل بخاری، ڈاکٹر شاہد محمود کاشمیری، مولانا محمد مغیرہ اور مولانا تنویر الحسن نے خطاب کیا اور قادیانیوں کو دعوت اسلام کا فریضہ دہرایا۔ سید عطاء المہیمن بخاری نے قادیانیوں کو مخاطب کے کہا کہ ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ جھوٹے مدعی نبوت کے پیروکار رہنے کی بجائے آسمانی فیصلے، کہ حضور نبی کریم ﷺ آخری نبی ہیں، کو تسلیم کرتے ہوئے دامانِ مصطفیٰ میں آ کر ان کی اطاعت گزاری قبول کر لو۔ جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ 1978ء میں بھی آئین سے یہی حلف نامہ نکالا گیا تھا جو مولانا مفتی محمود مرحوم کی تحریک سے صدر محمد ضیاء الحق موحوم کو واپس لینا پڑا، اب پھر بیرونی ایجنڈے کے بل پر یہ ڈاکہ ڈالا گیا جو قوم کے پریشر پر واپس ہوا۔ انہوں نے کہا کہ ختم نبوت کے محاذ کی تمام جماعتیں ہمارا ہی کام کر رہی ہیں۔ سید محمد کفیل بخاری نے کہا کہ مرزا قادیانی نے اپنے مخالفین کے خلاف جو گندی زبان استعمال کی ہم قادیانیوں کیخلاف وہ زبان استعمال نہیں کریں گے انہوں نے کہا کہ قادیانی ہماری لٹی ہوئی متاع گراں ہیں ہم چاہتے ہیں کہ نبی رحمت ﷺ کے دامن پناہ میں آ جائیں تا کہ

جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔ڈاکٹر شاہد محمود کاشمیری نے اپنے خطاب میں قادیانیوں سے کہا کہ وہ 23 جلدوں پر مبنی ''روحانی خزائن'' قادیانی جماعت کی چھپی ہوئی کتاب ہی پڑھ لیں تو ان کو حقیقت سمجھ آسکتی ہے۔مولانا محمد مغیرہ نے کہا کہ ہم ہر سال یہاں مرزائیوں کو دعوت اسلام دینے کیلئے آتے ہیں تاکہ قادیانی کلمہ اسلام پڑھ کر اپنی اصل پر واپس آجائیں۔مولانا تنویر الحسن احرار نے کہا کہ قافلۂ سخت جاں احرار شہداء ختم نبوت کے مشن کی تکمیل کیلئے قدم بہ قدم آگے بڑھ رہا ہے ہم اسلام اور پاکستان کے غداروں کا سیاسی اور دینی سطح پر تعاقب ہر حال میں جاری رکھیں گے اس موقع پر جلوس میں حضرت پیر طریقت سید جاوید حسین شاہ، حافظ عمار یاسر قاری شبیر احمد عثمانی سمیت ملک بھر سے علماء کرام، مشائخ عظام، دانشوراور صحافی بھی موجود تھے جلوس کے موقع پولیس اور قانون نافذ کرنے والوں کی بھاری نفری جلوس کے ہمراہ رہی جبکہ میاں محمد اویس، مولانا فیصل متین، سید عطاء المنان بخاری، محمد قاسم چیمہ، عبدالمنان معاویہ، مولانا محمد اکمل، محمد اشرف علی احرار، سید سلیم شاہ، علی اصغر اور کئی دیگر رہنما جلوس کی اپنی سیکورٹی کی سخت نگرانی کر رہے تھے۔جلوس میں کوئی بدنظمی پیدا نہ ہوئی اور کوئی منفی نعرہ بھی نہ لگا جلوس کے شرکاء جوش وخروش کے ساتھ یہ نعرے لگا رہے تھے نعرہ تکبیر اللہ اکبر، تاج وتخت ختم نبوت زندہ باد، فرما گئے یہ ہادی لا نبی بعدی، اسلام زندہ باد، پاکستان زندہ باد۔جلوس کا اختتام لاری اڈا سرگودھا روڈ چناب نگر پر ہوا جہاں مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے اسلام کی سربلندی اور پاکستان کی سلامتی کے لئے دعا کرائی اور قافلے پرامن اور منظم طور پر واپس اپنے شہروں کی طرف روانہ ہوگئے قافلوں کی گاڑیوں پر مجلس احرار اسلام کے پرچم اور بینرز آویزاں تھے۔بعدازاں مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری اطلاعات ڈاکٹر عمر فاروق احرار نے کانفرنس کی درج ذیل قراردادیں پریس کو جاری کیں۔

☆ **ختم نبوت کانفرنس چناب نگر کی قراردایں:**

مجلس احرار اسلام پاکستان کے زیر اہتمام دو روزہ 40ویں سالانہ آل پاکستان ختم نبوت کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں حسب ذیل قراردادیں بالاتفاق منظور کی گئیں:

☆مجلس احرار اسلام پاکستان کا یہ اجتماع پاکستان کے اسلامی تشخص اور قومی خودمختاری کے خلاف بڑھتے ہوئے مسلسل عالمی دباؤ اور بین الاقوامی اداروں کی یلغار پر تشویش واضطراب کا اظہار کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ معذرت خواہانہ پالیسی اختیار کرنے کی بجائے ایک نظریاتی اور ایٹمی ملک کی حیثیت سے باوقار حکمت عملی اختیار کی جائے، نیز دینی حلقوں کو توجہ دلانا چاہتا ہے کہ پاکستان کی اسلامی شناخت اور قومی خود مختاری کے معاملات کو سیاستدانوں اور اسٹیبلشمنٹ کے رحم وکرم پر چھوڑنے کی بجائے بذات خود آگے بڑھیں۔انھیں قائدانہ کردار ادا کرنا ہوگا۔لہٰذا تمام مکاتب فکر نفاذ اسلام کے یک نکاتی ایجنڈے پر متحد ہوکر شریعت کی بالادستی کی جدوجہد تیز تر کردیں۔

☆ یہ اجتماع حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر عمل درآمد کرتے ہوئے پاکستان کو اِسلامی نظام کا گہوارہ بنایا جائے۔

☆ یہ اجتماع دہشت گردی کی تازہ لہر کی مذمت کرتا ہے اور کوئٹہ میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعہ پر تشویش کا اظہار کرتا ہے۔

☆ یہ اجتماع پرنٹ والیکٹرانک میڈیا سے پانامہ انکشافات میں ملوث افراد کی انکوائری اور ٹرائل کے لیے قوم کو آگاہی فراہم کرنے کا اور عوامی ذہن سازی کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔تاکہ آنے والے انتخابات میں دستور کی دفعہ 62 اور 63 کے معیار کے مطابق لوگ منتخب ہوسکیں۔

☆ یہ اجتماع بیرونی دباؤ پر نصاب تعلیم سے اسلامی واخلاقی مضامین کو نکالنے کی بھرپور مذمت کرتا ہے اور ایسا نصاب تعلیم رائج کرنے کا مطالبہ کرتا ہے کہ جس کے ذریعے اسلام اور نظریہ پاکستان سے آگاہی حاصل ہو۔

☆ ذرائع ابلاغ پر اخلاق باختہ، حیا سوز اور پر تشدد مواد پیش کرنے پر پابندی لگائی جائے۔ ایسے پروگرام نشر کیے جائیں کہ جن سے عوام کی اخلاقی واسلامی تربیت ہو اور اسلامی تہذیب وثقافت کو فروغ ملے۔

☆ میڈیا پر تشہیر کے ذریعے عورت کی تذلیل بند کی جائے۔ خواتین اور بچیوں سے زیادتی کے مرتکبین کو عبرتناک سزائیں دی جائیں

☆ ایک اور قرارداد میں کسانوں کی حالت زار کو بہتر بنانے کے لیے حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ ۱۷ فیصد جنرل سیلز ٹیکس کا فوری خاتمہ کیا جائے۔ کسانوں کی حالت زار کو بہتر بنانے کے لیے غیر سودی آسان قرضے دیے جائیں۔ تمام سرکاری مزارعین اور بے زمین کاشتکاروں کو مالکانہ حقوق دے کر انہیں معاشرے میں سر اٹھا کر جینے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

☆ بیروزگاری پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے ایک قرارد میں کہا گیا ہے کہ ترجیحی بنیادوں پر تعلیم یافتہ بے روزگار نوجوانوں کو فوری طور پر بلا سود قرضے دیے جائیں۔

☆ آج کا یہ اجتماع ہندوستان اور اس کے وزیر اعظم نریندر مودی کے مسلم کش متعصّبانہ اقدامات اور مقبوضہ کشمیر میں ریاستی دہشت گردی کے مقابلے میں حکومت پاکستان کی کمزور خارجہ پالیسی، مقبوضہ کشمیر کے مظلوم عوام کو ان کی بے مثال لازوال جدوجہد آزادی میں تنہا چھوڑنے کی شدید مذمت اور کشمیریوں کے حق خود اِرادیت کی مکمل حمایت وتائید کرتا ہے۔

☆ یہ اجتماع عرب ممالک میں روز اَفزوں اختلافات اور تیزی سے مسلسل بگڑتی ہوئی صورتحال پر گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے۔ عالم اسلام گزشتہ کئی عشروں سے بیرونی قوتوں کی جارحیت ومداخلت، اندرونی انتشار و اِختلافات، سفاکانہ مظالم اور خوں ریزی کا شکار ہے۔ مشرق وسطٰی کے ناگفتہ بہ حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ عالم اسلام اپنے اختلافات ختم کر کے اپنی قوت کو مجتمع کرے اور بیرونی قوتوں کے عزائم کا راستہ روکے۔

☆ یہ اجتماع حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ 295 سی کے قانون کے خلاف سرگرمیوں کا نوٹس لیا جائے اور قانون ناموس رسالت کے ہر حال میں تحفظ کا دوٹوک اعلان کرتے ہوئے غیر ملکی طاقتوں کے مطالبات کو مسترد کیا جائے، کیونکہ ان کے یہ مطالبات ہمارے ملکی اور مذہبی معاملات میں کھلی مداخلت ہے۔

☆ عدالتی احکامات کے باوجود سوشل میڈیا پر توہین رسالت پر مبنی مواد موجود ہے، جبکہ سیکڑوں قادیانی ویب سائٹس پاکستان کے آئین کا مذاق اڑاتے ہوئے بلا تعطل آزادی سے چل رہی ہیں۔ یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ تمام قادیانی ویب سائٹس کو بند کیا جائے، سوشل میڈیا پر ہونے والی گستاخیوں کا نوٹس لیا جائے اور گستاخی کرنے والوں اور اُن کے سہولت کاروں کو فی الفور گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے۔

☆ قادیانی چینلز کی نشریات کا نوٹس لیا جائے اور ملک کے دستور اور قانون کے تقاضوں کے منافی نشریات پر پابندی لگائی جائے۔

☆ یہ اجتماع اربابِ اقتدار سے بھرپور مطالبہ کرتا ہے کہ چناب نگر کے تعلیمی ادارے قادیانیوں کو واپس کر کے قومی خزانہ کو کروڑوں کا انجکشن، سیکڑوں اساتذہ کا مستقبل مخدوش اور ہزاروں طلبہ کو قادیانیوں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑا جائے۔

☆ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کے مطابق ارتداد کی شرعی سزا نافذ کی جائے۔

☆ شناختی کارڈ میں مذہب کے کالم کا اضافہ کیا جائے۔ تاکہ قادیانیوں کی شناخت ہو سکے اور وہ مسلمانوں کے حقوق غصب نہ کر سکیں۔

☆ قادیانیوں نے چناب نگر میں اپنے سول کورٹ، سیشن کورٹ، ہائی کورٹ، سپریم کورٹ قائم کئے ہوئے ہیں، اُن کے یہ اقدامات

سٹیٹ ان سائیڈ سٹیٹ کے مترادف ہیں، لہٰذا چناب نگر میں سرکاری رٹ کو قائم کرتے ہوئے انہیں ملکی قانون کا پابند کیا جائے اور متوازی عدالتیں ختم کر کے ملک کے قانونی نظام کی بالادستی بحال کی جائے۔

☆ چناب نگر کے باسیوں کو مالکانہ حقوق دیئے جائیں، تاکہ چناب نگر کے رہائشی انجمن احمدیہ کے تسلط سے آزاد ہو کر زندگی گزار سکیں۔

☆ پورے ملک میں عسکری تنظیموں پر پابندی ہے، لیکن قادیانیوں کی تربیت یافتہ مسلح تنظیم "خدام الاحمدیہ" کو کھلی چھٹی دی جا چکی ہے۔ دیگر عسکری تنظیموں کی طرح قادیانیوں کی مسلح دہشت گرد تنظیم خدام الاحمدیہ پر پابندی عائد کی جائے اور اس کے اثاثے بحق سرکار ضبط کیے جائیں۔

☆ یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ دیگر اقلیتوں کے اوقاف کی طرح قادیانی اوقاف کو بھی سرکاری تحویل میں لیا جائے۔

☆ ملک میں ہونے والی قتل و غارت گری اور دہشت گردی میں قادیانی عنصر کے پس پردہ کردار کو فراموش نہ کیا جائے، جہاں مذہبی دہشت گردی ہوتی ہے، وہاں کی قادیانی قیادت کو شامل تفتیش کیا جائے تو بہت سارے اندھے کیسوں کا سراغ لگ سکتا ہے۔

☆ قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے نیشنل سنٹر فار فزکس کو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے نام پر رکھنے کا فیصلہ واپس لیا جائے۔

☆ دُوالمیال چکوال میں قادیانیوں کے مظالم کے شکار مسلمانوں سے اظہار یکجہتی کرتے ہوئے یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ علاقہ کے مسلمانوں کے خلاف ناجائز مقدمات ختم کیے جائیں، مقبوضہ مسجد کو مسلمانوں کے حوالے کیا جائے، نعیم شفیق شہید قتل میں نامزد قادیانیوں کو گرفتار کیا جائے، ایک سال سے قید بے گناہ مسلمانوں کو رہا کیا جائے اور مسلمانوں کے خلاف جانبدارانہ رویہ اختیار کرنے والے حکام کے خلاف کارروائی کی جائے۔

☆ وفاقی حکومت بیرون ملک سفارت خانوں، قونصل خانوں اور دیگر عالمی اداروں میں ذمہ داران کی تعیناتی کرتے وقت ان کے قادیانیوں سے ہمدردانہ روابط کے حوالے سے چھان بین کے عمل کو شفاف بنائے۔

☆ یہ اجتماع پنجاب اسمبلی میں ختم نبوت کو تعلیمی نصاب کا حصہ بنانے کی قرارداد کی بالاتفاق منظوری کا خیر مقدم کرتا ہے اور حکام سے مطالبہ کرتا ہے کہ سرکاری سطح پر عقیدۂ ختم نبوت کی ترویج و اشاعت کے لئے ہر سطح کے قومی تعلیمی نصاب میں عقیدۂ ختم نبوت پر مضامین اور تحاریک ختم نبوت کے تذکرے کو شامل کیا جائے۔

☆ حکومتی سطح پر اسلامی نظریاتی کونسل کی طرز پر "تحفظ ختم نبوت کونسل" کا قیام عمل میں لایا جائے جو عقیدۂ ختم نبوت کی تبلیغ و اشاعت اور قادیانیوں کی سرگرمیوں کو مانیٹر کرے۔

☆ یہ اجتماع سعودی عرب کی حکومت سے درخواست کرتا ہے کہ وہ حج و عمرہ اور ورک ویزے کے درخواست فارم میں عقیدہ ختم نبوت کے حلف نامے کا اضافہ کرے۔ تاکہ قادیانی حرمین شریفین میں داخل نہ ہو سکیں۔

☆ آزاد کشمیر میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیے جانے والی متفقہ قرارداد ابھی تک آئین کا حصہ نہیں بن سکی، اس لیے وہاں قادیانی اسلامی شعائر کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ قرار دادِ اقلیت کو آئین کا حصہ بنا کر قادیانیوں کی سرگرمیوں کی روک تھام کی جائے۔

☆ قادیانیوں کی 48 آف شور کمپنیوں کے بارے میں تفصیل سے قوم کو آگاہ کیا جائے اور ان کیخلاف عدالتی کاروائی کی جائے

☆ حلف نامے کے حوالے سے حکومت اسلام آباد اور لاہور میں دھرنے کے قائدین سے ہونے والے مذاکرات کی روشنی میں ہونیوالے معاہدات پر پوری نیک نیتی کیساتھ علمدرآمد کرے۔

بعدازاں کانفرنس سے اگلے روز 13 ربیع الاول 2 دسمبر بروز ہفتہ 10 بجے صبح کانفرنس کے حوالے سے کانفرنس اور جلوس میں رہ جانے والی کمزوریوں کے سلسلہ میں جائزہ اجلاس قائد احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں سید محمد کفیل بخاری، عبداللطیف خالد چیمہ، مولانا محمد مغیرہ، میاں محمد اویس، مولانا محمد فیصل متین، مولانا محمد اکمل، سید عطاء المنان بخاری، مولانا محمود الحسن، مولانا تنویر الحسن، ڈاکٹر محمد آصف، رانا قمر الاسلام، بھائی عبدالرحمٰن، مولانا محمد طیب، مولانا سرفراز معاویہ اور کئی دیگر حضرات شریک ہوئے اور اول تا آخر تمام امور کا تفصیلی وتنقیدی جائزہ لیا گیا۔ آئندہ سال کے لئے سفارشات مرتب کی گئیں جن کو مولانا تنویر الحسن نے قلم بند کیا وہ ان سفارشات کو صاف کر کے مرکزی قائدین کو ریکارڈ کے طور پر ارسال کریں گے، تاکہ آئندہ برس کانفرنس کو بہتر بنانے کے لئے ابھی سے تیاریاں شروع کر دی جائیں۔

مسافرانِ آخرت

ادارہ

★ مجلس احرار اسلام ملتان کے مخلص کارکن حافظ محمد طارق چوہان کی بھاوج اور محمد سلیم چوہان کی اہلیہ، انتقال: 6 نومبر 2017

★ ہمارے کرم فرما جناب ملک طارق محمود (اسلام آباد) کی خوش دامن صاحبہ، انتقال: 19 نومبر 2017 مطابق 29 صفر 1438

★ مجلس احرار اسلام ملتان کے سابق نائب امیر چودھری عبدالجبار مرحوم، انتقال: 28 نومبر 2017

★ مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن محمد شاکر خان خاکوانی کی والدہ ماجدہ، انتقال: 4 دسمبر 2017

★ مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن شیخ محمد عاطف کی والدہ ماجدہ، انتقال: 8 دسمبر 2017

★ مدرسہ معمورہ ملتان کے سابق طالب علم سعید عباس خان کی اہلیہ اور آدم خان کی بہو، انتقال: 10 دسمبر 2017

★ مجلس احرار اسلام ملتان کے ناظم نشر واشاعت فرحان الحق حقانی کے پھوپھوزاد حاجی عبدالعزیز مرحوم کی اہلیہ اور محمد جہانزیب، احمد عزیز کی والدہ۔ انتقال: 13 دسمبر 2017　★ سید غلام مصطفی شاہ صاحب (عبدالحکیم) کی رضاعی بہن، انتقال: 6 دسمبر

★ مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن عزیر احمد (حلقہ سورج میانی) کی نومولود بیٹی، انتقال: 14 دسمبر 2017

★ اشفاق دھرنال کے بھائی، امتیاز حسین (چکڑالہ) کے بہنوئی اور ابوبکر دھرنال کے والد ظفر اقبال دُھرنال مرحوم، انتقال: 15 دسمبر

★ مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم کارکن شیخ نیاز احمد کے ہم زلف شیخ محمد اسلام (جہلم) انتقال: 17 دسمبر 2017

★ تحریک طلباء اسلام پاکستان کے سابق رہنما اور روزنامہ سچائی کے سینئر ایڈیٹر زاہد شہزاد رانا (بھکر) کی والدہ ماجدہ، انتقال: 17 دسمبر

★ مجلس احرار اسلام پاکستان کے ناظم اعلیٰ جناب عبداللطیف خالد چیمہ کے ماموں نصیر احمد چیمہ مرحوم، انتقال: 19 دسمبر 2017

★ مجلس احرار اسلام ڈسکہ ضلع سیالکوٹ کے صدر ذوالفقار علی بھٹو کی والدہ، انتقال: 19 دسمبر 2017

★ ملتان کے ہمارے کرم فرما محمد ادریس کے والد جناب عبدالمجید مرحوم، انتقال: 22 دسمبر 2017

★ مجلس احرار ملتان کے مخلص کارکن محمد بلال کے والد حاجی سکندر مرحوم، انتقال: 25 دسمبر 2017

★ حاجی عزیز الرحمٰن دیروی (جہانگیرہ) کے کزن عبدالحمید خٹک (پشاور) گزشتہ دنوں انتقال کر گئے۔

★ مجلس احرار اسلام راولپنڈی کا کارکن جناب محمد ناصر صاحب کی والدہ گزشتہ ماہ انتقال کر گئیں۔

احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاءِ مغفرت کا خاص اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطاء فرمائے۔

مجلس احرار اسلام سندھ کے مرکزی دفتر کا افتتاح

مولانا تنویر الحسن

سفر کراچی کی تقریب یہ ہوئی کہ مجلس احرار اسلام سندھ کے امیر جناب مفتی عطاء الرحمٰن قریشی نے کراچی کے مجلس احرار اسلام کا صوبائی دفتر مسجد الفلاح گلشن عمر میں قائم کیا۔ (اللہ کریم اس مرکز کو شاد و آباد رکھے۔ آمین) مفتی صاحب نے مرکز کے افتتاح کے لیے نائب امیر مجلس احرار اسلام نواسۂ امیر شریعت سید محمد کفیل بخاری، مرکزی ناظم اعلیٰ مجاہدِ ختم نبوت حاجی عبداللطیف خالد چیمہ، مرکزی ناظم تبلیغ و دعوت و ارشاد ڈاکٹر محمد آصف اور خادم مجاہدینِ ختم نبوّت (راقم الحروف) کو مدعو کیا۔

محترم ناظم اعلیٰ صاحب جناب عبداللطیف خالد چیمہ ۷؍دسمبر کو کراچی پہنچے جب کہ بھائی محمد آصف کے ہمراہ راقم ۸؍دسمبر کو ملتان سے کراچی آمد ہوئی۔ مسجد الفلاح میں نمازِ جمعہ سے قبل ناظم اعلیٰ صاحب نے مجلس احرار اسلام کے اغراض و مقاصد اور عقیدۂ ختمِ نبوّت کا تحفظ ضروری کیوں؟ کے عنوان پہ تفصیلی خطاب کیا۔ خطبہ جمعہ راقم نے دیا اور نماز بھی پڑھائی۔ مغرب کے بعد مفتی عطاء الرحمٰن صاحب نے ختمِ نبوّت کورس کے اغراض و مقاصد بیان کیے۔ بعد ازاں راقم تنویر الحسن نے عقیدۂ ختم نبوت، اہمیت و فضیلت کے عنوان پہ گفتگو کی۔ نشست کی آخری گفتگو ڈاکٹر محمد آصف نے کی جس کا عنوان دعوت دین کی ضرورت و اہمیت تھا۔ بھائی محمد آصف کی دعا سے نشست اختتام پذیر ہوئی۔ ۹؍دسمبر بعد نماز فجر راقم تنویر الحسن نے درس ختمِ نبوت دیا۔ دن ۹ بجے ڈاکٹر محمد آصف نے ''میرا قبولِ اسلام'' کے عنوان پہ گفتگو کی۔ دن ۱۰ بجے کراچی سے جناب جمال احمد تشریف لے آئے، ان کے ہمراہ چیمہ صاحب، ڈاکٹر آصف اور راقم حب ضلع لسبیلہ بلوچستان گئے۔ جہاں تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد کی تقویت اور پھیلاؤ کے حوالے سے مشاورت جاری رہی۔ اسی دوران مدرسہ احیاء العلوم مظفرگڑھ کے مہتمم مولانا محمد عاصم قریشی، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن جامی، مولانا پیر سید عبدالمعبود آزاد بھی مرکز احرار تشریف لے آئے۔ مغرب کے بعد مولانا عبدالمعبود آزاد نے مجلس ذکر کروائی اور اصلاحی بیان فرمایا۔ جب کہ عقیدۂ ختمِ نبوّت پہ قادیانی اعتراضات کے جوابات کے حوالے سے راقم نے گفتگو کی۔ بعد ازاں مولانا محمد عاصم عمر اور شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن جامی نے بیان کیا۔ بعد نماز عشاء لاہور سے ۱۲۳ افراد پہ مشتمل قافلہ قاری محمد قاسم بلوچ جنرل سیکرٹری مجلس احرار لاہور، مولانا عبداللہ مدنی، مفتی عبدالرحمٰن مدرسین جامعہ فتحیہ کی قیادت میں پہنچا۔ جب کہ اسی دوران جے یو آئی کے زیر اہتمام ایوانِ اقبال میں منعقدہ قومی سیرت مصطفیٰ کانفرنس سے خطاب کے بعد سید محمد کفیل بخاری لاہور سے کراچی تشریف لے آئے۔

۱۰؍دسمبر فجر کے بعد راقم نے فہمِ ختمِ نبوّت کورس کی آخری نشست میں گفتگو کی۔ دن ۹ بجے دفتر کے افتتاح کی تقریب ہوئی۔ قاری محمد قاسم نے تلاوت کی، راقم نے ''تاریخ احرار اور تابناک ماضی'' تعارفی گفتگو کی۔ جب کہ محترم ناظم اعلیٰ صاحب جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے احرار، کام اور طریقہ کار کے حوالے سے گفتگو کی، جب کہ آخری گفتگو نواسۂ

امیر شریعت سید محمد کفیل بخاری نے کی۔ کراچی کے جید علماء کی موجودگی میں مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم اور حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کی توجہات اور دعاؤں کا ساتھ رہا۔ شاہ جی نے دفتر احرار کراچی سندھ کا دروازہ کھول کر افتتاح کیا۔ فضاء تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھی۔

۱۱ بجے سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس شروع ہوئی۔ معزز مندوبین میں جے یو آئی (س) کے ذمہ دار مولانا حماد مدنی، بادشاہی مسجد کے خطیب مولانا عبدالخبیر آزاد، مولانا عبدالمعبود آزاد، مولانا عبدالغفور مظفر گڑھی، مولانا محمد عاصم عمر قریشی، مولانا عبدالرحمٰن جامی، قاری علی شیر قادری، ڈاکٹر محمد آصف، مفتی عمر فاروق، مفتی عبدالقادر ڈیروی، مولانا عطاء الرحمٰن قریشی، عبداللطیف خالد چیمہ، سید محمد کفیل بخاری نے خطابات کیے۔ ماشاء اللہ مفتی عطاء الرحمٰن قریشی، ان کے فرزندان: سعد، اسعد، حسن، حسان اور ان کے خاندان کے دیگر افراد نے مہمانان، مندوبین اور کارکنانِ احرار کی بہت خدمت کی۔ کانفرنس کے اختتام پر نماز عشاء سے پہلے شہر میں ۲ تعارفی جماعتوں کی تشکیل ہوئی۔ سید محمد کفیل بخاری، مولانا محمد احمد حافظ کے ہمراہ جامعہ اسلامیہ کلفٹن پھر ناظم آباد تشریف لے گئے۔ جب کہ چیمہ صاحب کے ہمراہ ڈاکٹر محمد آصف، راقم، بھائی شفیع الرحمٰن ناظم آباد نمبر۴، مدرسہ سیف الاسلام میں حاضر ہوئے اور طلباء سے نشست ہوئی۔

دن ۱۱ بجے راقم، حضرت شاہ جی سید محمد کفیل بخاری کے ہمراہ جامعہ اسلامیہ درویشیہ سندھی مسلم سوسائٹی پہنچے۔ جہاں مہتمم جامعہ پیر طریقت حضرت سید لیاقت حسین شاہ زید مجدہٗ، ناظم جامعہ حضرت مولانا سید منور حسین شاہ اور جامعہ کے اساتذہ نے پرخلوص والہانہ استقبال کیا۔ حضرت لیاقت حسین شاہ صاحب نے کفیل شاہ جی کو اعزازاً جبہ بھی اوڑھایا۔ بعد میں سید محمد کفیل بخاری نے طلباء سے ختم نبوت کی جدو جہد اور کردارِ احرار کے وضوع پر گفتگو بھی کی۔ ظہر کی نماز ماڈل کالونی ملیر میں مسجد گلشن جامی میں ادا کی جہاں مولانا تنویر اقبال نے دعوتِ اسلام سیمینار کا انعقاد کر رکھا تھا۔ کراچی میں ماڈل کالونی کا علاقہ منی ربوہ کہلاتا ہے۔ مرزا طاہر اور مرزا مسرور پاکستان سے بھاگتے ہوئے ماڈل کالونی میں روپوش رہے۔

مہران ٹاؤن میں مجلس احرار اسلام کراچی کے رہنما مولانا عبدالغفور مظفر گڑھی کے قائم کردہ مدرسہ جامعہ محمدیہ جامع مسجد محمدی میں سیرت خاتم الانبیاء کانفرنس کا انعقاد تھا۔ مختلف علمائے کرام کے خطابات کے بعد حضرت ناظم اعلیٰ جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے خطاب کیا اور آخر میں شاہ جی سید محمد کفیل بخاری نے بھی گفتگو کی۔ اس دوران فیصل آباد سے تعلق رکھنے والے وطن عزیز کے معروف خطیب مولانا محمد رفیق جامی مدظلہٗ اپنے احباب کے ساتھ شاہ جی سے ملاقات کی غرض سے تشریف لائے۔

۱۲؍ دسمبر کراچی میں ہمارا آخری دن تھا۔ مختلف احباب سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ سید محمد کفیل بخاری اور عبداللطیف خالد چیمہ صاحبان نے ۱:۳۰ بجے کراچی سے واپسی کا سفر آغاز کیا۔ راقم اور ڈاکٹر محمد آصف نے ظہر کی نماز جامع مسجد جناح ہسپتال میں ادا کی۔ جہاں احباب سے ختمِ نبوّت کے کام کے حوالے سے میٹنگ ہوئی۔ پونے چھے بجے کراچی کو خیر آباد کہہ کر ملتان کے لیے روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی استدعا ہے۔ احباب دعا میں فراموش نہ فرمائیں۔